# مطالعہ قرآن

پاکستان ملٹری اکاڈمی کاکول

Marfat.com

۲۹۷۶۱۰۷
۳'۸
۳۰۳۵۳
DATA ENTERED

نام کتاب : مطالعہ قرآن

ناشر : مکتبہ مدنیّہ
اردو بازار - لاہور

تعداد : ۲۵۰۰

پریس : المطبعۃ العربیّۃ
لاہور

Marfat.com

DATA ENTERED

# فہرست


| صفحہ | | مندرجات |
|---|---|---|
| ۳ | ۱۔ | پیش لفظ۔ |
| ۷ | ۲۔ | تعارف۔ |
| ۴۵ | ۳۔ | سورۃ الحجرات۔ |
| ۹۳ | ۴۔ | سورۃ الصف۔ |
| ۱۱۱ | ۵۔ | سورۃ التغابن۔ |
| ۱۳۵ | ۶۔ | سورۃ المزمل۔ |
| | ۷۔ | ایمانیات۔ |
| ۱۴۶ | | ا۔ توحید۔ |
| ۱۷۵ | | ب۔ رسالت۔ |
| ۱۸۷ | | ج۔ آخرت۔ |
| ۱۹۹ | ۸۔ | جہاد فی سبیل اللہ۔ |
| | ۹۔ | ارکان اسلام |
| ۲۲۱ | | ا۔ نماز۔ |
| ۲۵۷ | | ب۔ زکوٰۃ۔ |
| ۲۷۵ | | ج۔ روزہ۔ |
| ۲۸۹ | ۱۰۔ | ذکر الٰہی۔ |
| ۳۰۱ | ۱۱ | دعائیں۔ |


Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# پیش لفظ

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جو پوری کائنات کے لئے ذریعہ ہدایت و نجات ہے۔ قرآن جس دورِ ظلمت میں نازل ہوا تھا، اور وہ معاشرہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے جن حالات و کوائف سے دوچار تھا۔ اس کی کچھ جھلکیاں آج بھی پائی جاتی ہیں۔ اس پیغام ربانی نے جس طرح اپنی حکیمانہ اور روح پرور تعلیمات سے عرب کے بدو معاشرے کو دنیا کی امامت کے لئے تیار کیا وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح اگر آج بھی قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور احکام ربانی کی روشنی میں دنیا کے مسائل حل کئے جائیں تو دنیا پھر اسی طرح امن، شرافت، محبت، اخلاص، ایثار کیشی، بے نفسی اور بھائی چارے کی نعمتوں سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

قرآن پاک محض تلاوت کرنے اور خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں کی زینت بنانے کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کے پیغام کو عام کرنا اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی اور اس کے معاملات کو سنوارنا جتنا آج ضروری ہے اتنا شاید پہلے کبھی نہ تھا۔

شاہ ولی اللہؒ "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں کہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد نفسِ انسانی کی تہذیب، باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے حیات ایک وحدت ہے۔ اس لئے تعلیمات قرآنی جسم و روح کے تمام تقاضوں پر

Marfat.com

محیط ہیں۔ تمام کائنات میں خدائی قانون کی بالادستی ایک بنیادی حقیقت ہے۔ اور اس کا اطلاق تمام انسانوں پر رتبہ، قوت، رنگ، زبان اور جغرافیائی تفریق کے باوجود یکساں طور پر ہوتا ہے۔

پاکستان ملٹری اکیڈمی کو پاکستان کی فوج کے نوجوان قائدین کی تربیت کا شرف حاصل ہے جو نہ صرف ایک نظریاتی مملکت ہے بلکہ اس کی اساس دینِ اسلام پر قائم ہے اور یہ اسلام کے قلعہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ تخلیقِ پاکستان کے تاریخی پس منظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان ملٹری اکیڈمی کی تاسیس کے کچھ ہی عرصہ بعد اس عسکری مادرِ علمی کا نصب العین نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ تو مقرر کر دیا گیا لیکن بوجوہ قرآنِ پاک کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی جا سکی۔

تاہم ۱۹۸۸ء میں "مطالعۂ قرآن" کے نام سے ایک لازمی مضمون کا اجراء کیا گیا اس مضمون کا نصف حصّہ ناظرہ قرآن پر مشتمل ہے اور باقی نصف میں ایک عسکری قائد کی ان ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر سلیبس ترتیب دیا گیا ہے جس سے اس کی عظمتِ کردار اور نظریاتی وابستگی کو رفعت ملے اور قیادت کے لئے مطلوبہ اعلیٰ اقدار کو فروغ ملے۔

خالدؓ، طارقؒ اور صلاح الدینؒ کے جانشینوں کی عقابی روح میں جذبۂ جہاد اور پاکیزہ کردار پیدا کرنے کی اہم ذمہ داری کا ادراک کرتے ہوئے اکیڈمی نے فیصلہ کیا کہ قرآنِ پاک کی چار اہم سُورتوں "سورۃ الحجرات۔ سورۃ التغابن، سورۃ الصف، سورۃ المزمّل" اور ایمانیات کے فوراً بعد جہاد کا اہم موضوع اِن کے سامنے پوری تفصیل اور وضاحت سے پیش کر دیا جائے۔ تاکہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کی تعلیم سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں یہ ذہن نشین کروایا جائے کہ جہاد مسلمان کی زندگی کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ جہاد ہے خواہ وہ تعلیم و تدریس کے شعبہ سے متعلق ہو یا عسکری زندگی کی تربیت لے رہا ہو یا حالتِ امن میں بھرپور تیاری کے سخت کوش

Marfat.com

مراحل سے گزر رہا ہو یا حالتِ جنگ میں میدانِ کارزار میں اللہ اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر قتال فی سبیل اللہ کر رہا ہو۔

ایک نوجوان اور ہونہار کیڈٹ جذبوں اور آرزوؤں سے سرشار جب اس عظیم عسکری ادارہ کے نصب العین نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ کو پڑھتا ہے تو اس کے حصول کو حرزِ جان بنانے اور نصرتِ الٰہی کا حق دار بننے کے لئے اُسے پہلے قربتِ خداوندی کی معراج کو حاصل کرنے کے لئے جن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے زیرِ نظر کتاب، کردار سازی کی انہی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دی گئی ہے تاکہ نوجوان قارئین غیروں کے افکار کی دریوزہ گری کی بجائے قرآنی تعلیمات کو اپنے لئے مینارۂ نور اور نشانِ منزل سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ آمین۔

میجر جنرل
کمانڈنٹ پاکستان ملٹری اکیڈمی
(غلام محمد ملک)

Marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# تعارف

۱۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے جو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ یہ کتاب پورے ۲۲ سال ۵ ماہ میں نازل ہوئی۔ نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کی پہلی وحی سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیاتؔ[1] اور آخری آیت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱[2] ہے۔ مگر موجودہ ترتیبؔ[3] کے لحاظ سے اس کی پہلی سورۃ الفاتحہ ہے اور آخری سورۃ الناس ہے

۲۔ قرآن مجید اللہ کی وہ کتاب ہے جو نزول سے لے کر اب تک محفوظ و مامون ہے۔ اس میں تحریف ہوئی نہ تلبیس، اس کے کلمات، حروف، الفاظ، مرکبات، سورتیں اور پارے بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔[4] اس کے مندرجات کو ایسے سائنسی اعداد و شمار کے ساتھ مربوط و منظم کر دیا گیا ہے کہ اس میں انسانی تصرف کی گنجائش باقی ہی نہیں رہنے دی گئی۔ تاہم اگر کسی نے اس کی کوشش کی بھی تو ناکام و نامراد رہا۔

[1] اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق ۹۶) آیت: ۱ تا ۵) [2] وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲، آیت ۲۸۱) [3] قرآن کی موجودہ ترتیب توفیقی ہے اجتہادی نہیں یعنی اللہ نے وحی کے ذریعہ یہ ترتیب القا کی، کسی انسان کی خواہش اور مرضی کا اس میں مطلق دخل نہیں ہے [4] اس کتاب کے پارے ۳۰، سورتیں ۱۱۴۔ آیات ۶۶۶۶۔ کلمات ۸۶۴۳۰۔ آیات سجدہ ۱۴، حروف مقطعات ۲۹۔ رکوع ۵۴۰ اور منزلیں ۷ ہیں۔

اس کتاب کو محفوظ کرنے کا اور اس کی مستقل حفاظت کا ذمہ خود پروردگار نے لیا ہے اور اس کا اہتمام یہ کیا ہے کہ قلوب انسانی میں اس کو محفوظ کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

ا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: ۹)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں۔

ب۔ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚ کَذٰلِکَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ۝ (الفرقان: ۳۲)

ترجمہ:۔ منکرین (کافر) کہتے ہیں، اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتارا گیا۔ ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس کو اچھی طرح تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اسی لئے ہم نے اسے ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے۔

۳۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا مگر اس کے اسلوب میں اتنی حلاوت ہے کہ اُسے پڑھتے ہوتے آدمی پر سوز و گداز اور رِقت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر قاری نے دل کے دروازے بند نہ کر رکھے ہوں اور اس کا دل شقاوت سے سنگ نہ ہو گیا ہو تو وہ اپنے اوپر اس کلام کی مرعوبیّت طاری ہوتے محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنی روح کو مچلتا ہوا پاتا ہے۔ اس کا جسم بے اختیار جھومنے لگتا ہے اور وہ بے اختیار سربسجود ہوتا ہے۔

حضرت عمرِ فاروق رضؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اس کی زندہ مثال ہے۔ آپ اپنے گھر سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے نکلے تو راستے میں نعیم نامی ایک شخص نے آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ آپ کی بہن اور بہنوتی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ ہمشیرہ کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے حضرت خباب بن ارت کی آواز میں قرآن سُنا تو پسیج گئے اور قبول اسلام کے لئے

Marfat.com

دربارِ رسالت میں تشریف لے گئے۔ قرآن کی تاثیر اور سحر بیانی کی دوسری شہادت جنوں کا یہ بیان ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن ۷۲، آیت ۲،۱)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ! کہو میری طرف تو وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۴۔ قرآنِ مجید دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح جڑا ہوا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر شاخِ گل ہے اور ایک ایک سورت خیابانِ بہار ہے۔ اس خیابان میں رُلا دینے والی، حیرت میں ڈال دینے والی، مبہوت کر دینے والی، خوف طاری کر دینے والی، اطمینان دلانے والی، عزم و یقین اُبھار دینے والی، جوش میں لانے والی، آمادۂ پیکار کر دینے والی، ایثار کو فروغ دینے والی، اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانبازی و جانفروشی کا اظہار کرنے والی رنگا رنگ کیاریاں جا بجا پھیلی ہوتی ہیں۔ اس خیاباں میں داخل ہونے والے پر اس کے پھولوں کی مہک اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی نظروں کو ٹھنڈک ملتی ہے۔ اس کی روح مچلتی ہے۔ اس کا قلب و دماغ معرفتِ حق کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور اس کی روح وہ سرور وکیف پاتی ہے کہ بس انسان ارضی سے آفاقی ہو جاتا ہے۔

۵۔ قرآنِ مجید کتابِ ہدایت ہے۔ یہ آئینِ زندگی اور دستورِ حیات ہے، یہ فاطرِ کائنات اور خالقِ ارض وسما، عالم الغیب والشہادہ کے علم و حکمت کا آئین ہے۔ یہ

Marfat.com

نور السماوات والارض کا نورِ بصیرت و دانائی ہے۔ اس میں ناطقِ حقیقی کے کلام کی چاشنی موجود ہے۔ اس کا قاری ایسے محسوس کرتا ہے۔ جیسے اس کا رب اس سے باتیں کر رہا ہے، ہدایت دے رہا ہے اور تنبیہات کر رہا ہے اور اس کو واضح طور پر صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ اسی لئے وہ اس کی تلاوت و قرأت میں ایک گوناں لذت محسوس کرتا ہے۔ جہاں یہ کتاب قرآن ہے وہاں یہ فرقانِ حمید بھی ہے جو:۔

ا۔ حق و باطل میں فرق واضح کرتی ہے۔

ب۔ معبودِ حقیقی کے تصوّر کو اُبھارتی ہے اور معبودانِ باطل کے بطل کو واضح کرتی ہے۔

ج۔ طبعی علوم کا تذکرہ کرتی ہے تو عمرانی علوم کا تصوّر بھی پیش کرتی ہے۔

د۔ وجودِ کائنات اور رُموزِ کائنات کو آشکارا کرتی ہے۔

ھ۔ انسان کی صحیح حیثیت کا تعین کرتی ہے۔ اور اسے اس کی حیاتِ مستعار کے مقصد سے آگاہ کرتی ہے اور متعین طور پر اس کے مطلوب مثبت رویوں کی واضح نشاندہی کرتی ہے اور منفی رویوں سے ہوشیار کرتی ہے۔

و۔ اس دنیوی زندگی کا صحیح تعین کرتی ہے۔ اور اخروی زندگی کی تیاری کی بھرپور ترغیب دلاتی ہے۔

**مفهوم** :۔ ۶۔ حضرت صفیان بن عینیہ کہتے ہیں۔

اِنَّ اِشْتِقَاقَ لَفْظُ الْقُرْاٰنِ اِمَّا مِنَ التِّلَاوَۃِ اَوْ مِنَ الْجَمْعِیَّۃِ۔

ترجمہ:۔ حقیقت یہ ہے کہ "قرآن" کا لفظ یا تو تلاوت سے یا جمعیت سے مشتق ہے۔

Marfat.com

اور مشہور لغوی ابوالحسن علی بن حازم اللحیانی کا قول ہے کہ قرآن قرأ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی پڑھنے اور تلاوت کرنے کے ہیں۔

۷۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو ہر وقت پڑھی جانے والی ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ جس سے حضرت انسان ہدایت پاتا ہے، سکون و اطمینان کی راحتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بار بار تلاوت کرے، پڑھے، تذکر و تدبر کرے اور اس سے قرآت کا تعلق استوار کرے۔ اپنی رات کی تاریکیوں میں اس نورِ ربانی سے اُجالا کرے۔

## مقصدِ نزولِ قرآن

۸۔ قرآن مجید کے نزول کی غرض و غایت بنی نوع انسان کو حقیقت آشنا کرنا ہے کہ وہ اس دنیا کی حقیقت اور اس میں اپنی حیثیت کا صحیح طور پر تعین کرسکے۔ قرآن نے انسان کو یہ بتایا کہ:۔

ا۔ اللہ نے، جو ساری کائنات کا خالق، مالک، فرمانروا ہے، زمین میں انسان کو پیدا کیا، اسے جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں، بھلائی اور برائی کی تمیز دی، انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا کی، تصرف کے اختیارات بخشے اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری AUTONOMY دے کر اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ۔ ۳۰)

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ب:۔ اس دنیا میں جو اختیارات تمہیں دیتے گئے ہیں وہ مالک حقیقی کی طرف سے تمہیں عطا DELEGATE ہوتے ہیں۔ وہ اختیارات تمہارے ذاتی نہیں ہیں۔ یہ دنیا تمہارے لئے دارالامتحان ہے۔ اس کے بعد تمہیں اپنے مالکِ حقیقی کے پاس پیش ہونا ہے۔ جہاں تمہاری کامیابی و ناکامی کا فیصلہ سنانے کے بعد تمہیں ابدی ٹھکانے کی طرف بھیج دیا جاتے گا۔ کامیابی کی صورت میں جنت اور ناکامی کی صورت

Marfat.com

میں جہنم تمہارا ٹھکانہ ہوگا۔

ج۔ رُو سے زمین پر انسان کے ظہور کے ساتھ ہی ربِ کائنات نے ان کی ہدایت اور راہنمائی کا بندوبست بھی کر دیا اور بذریعہ وحی انسان کو مطلوب رویوں DESIRED ATTITUDES اور غیر مطلوب رویوں کی نشاندہی کر دی۔ اسے جہالت سے علم کی روشنی بھی عطا کی اور اسے ایک مقررہ مدت تک مہلت اور ڈھیل بھی دی۔

د۔ مالکِ حقیقی نے انسان کی ہدایت کا مستقل انتظام کیا اور مختلف انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اپنی اپنی امتوں کو قانونِ الٰہی سے آشنا کیا۔

ہ۔ اللہ نے آخرِ کار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا اور ان پر ایک ابدی و لازوال اور ایک محفوظ و مامون کتاب نازل کی۔

(۹) قرآن مجید کے بارے میں چند ایک بنیادی سوالات ذہنِ انسانی میں اُبھرتے ہیں۔ ان سوالات اور ان کے جوابات کو جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، کیونکہ ان کی واقفیت کے بغیر اس کے اصلی مقاصد تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

ا۔ یہ کتاب کس کی ہے؟

ب۔ اس کتاب کے نزول کی کیفیت کیا تھی؟

ج۔ اس کتاب کا موضوع کیا ہے؟

د۔ اس کتاب کا مرکزی مضمون کیا ہے؟

ہ۔ اس کتاب کے نزول کا مدعا کیا ہے؟

۱۰۔ ان بنیادی سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ذیل میں نہایت اختصار سے کام لیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

ا۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب [1] ہے۔ جو ربِّ کائنات، فاطر السماوات والارض، علیم و حکیم اور سمیع و بصیر ہے۔ اس مدبرِ اعلیٰ نے اپنی خدائی حکمت و دانش کے موتی اس میں پرو دیئے ہیں۔

ب۔ یہ کتابِ حکمت و دانائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل کی [2]۔ جس کی کیفیت کا تذکرہ خود پروردگار اس کتاب میں یوں فرماتے ہیں۔

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ۔
(الشوریٰ۔ ۵۱)

کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کو جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے وہ برتر اور حکیم ہے۔

ج۔ اس کتاب کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ حقیقت میں اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے۔

د۔ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظامِ کائنات، اپنی ہستی اور اپنی دنیوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں اور ان نظریات کے بارے میں جو رویّے اختیار کر لئے ہیں وہ سب حقیقت کے لحاظ سے اور نتیجے کے اعتبار سے وجودِ انسان ہی کے لئے تباہ کن ہیں۔ حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لئے وہی رویّہ درست

---

[1] ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ (البقرہ۔ ۱۷۶)، اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا (الدھر۔ ۲۳)
[2] وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ (محمد۔ ۲)

Marfat.com

اور خوش انجام ہے جو احکامِ الٰہی کی اطاعت اور اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا ہو۔[۱]

۵۔ اس کتابِ ہدایت کا مدعا انسان کو اس صحیح رویّہ کی طرف دعوت دینا ہے اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے[۲] جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ یعنی انسان کو خود آگاہ اور خدا شناس کرنا اس قرآن کا اصلی مدعا ہے تاکہ خدا کی دھرتی پر خدا کے نام کا بول بالا رہے۔[۳]

## عظمتِ قرآن

:۔ (۱۱) قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اور بڑائی و عظمت صرف اللہ ہی کے لیئے ہے۔[۴] کسی انسان کے بس میں یہ ہے ہی نہیں کہ ربّ السماوات والارض کی عظمت کو بیان کر سکے تاہم یہاں صرف ان کلمات تک اکتفا کیا جاتا ہے جو مالکِ حقیقی نے اپنے بارے میں پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو القاء کیے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

(لقمان: ۲۷)

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر دوات بن جائیں جسے سات سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔

(۱۲) اس بزرگ و برتر ہستی کا کلام بھی اتنی ہی عظمت والا ہے۔ اس کے کلام میں بھی وہ عزت و حشمت، جاہ و جلال، رعب و دبدبہ پایا جاتا ہے، جو خود اللہ کی

---

[۱] وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب: ۷۱) [۲] وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (النحل: ۸۹) [۳] وَمَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (حدیث) [۴] اَلْعَظَمَةُ لِلّٰهِ۔

Marfat.com

ذات میں ہے۔ اس سلسلہ میں رب کائنات نے اپنے کلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الحشر: ۲۱)

اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور کریں۔

آپ نے غور کیا کہ اللہ کے کلام کی کتنی ہیبت ہے۔ اگر اس کو مضبوط اور بلند و بالا چٹانوں پر نازل کیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ اور اس کے بوجھ کو نہ سہار سکتیں یہی وجہ ہے کہ جب اس کتاب اللہ کے بعض اجزاء بذریعہ وحی رسول اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہے ہوتے تو آپ ایک بوجھ محسوس کرتے آپ کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو جاتا، آپ پر خاصا دباؤ محسوس ہوتا۔ آپ اگر سواری پر بیٹھے ہوتے تو وہ اس کے بوجھ سے بیٹھ جاتی۔ پہلی وحی میں صرف پانچ آیات تھیں لیکن آپ کی طبیعت پر جس قدر بوجھ تھا، جیسی کپکپی تھی، جتنا دباؤ تھا، اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ آپ ان شدید کیفیات میں مبتلا ہونے کے باعث پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے، زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ قرآن اللہ کا نور ہے، یہ مظہر حق ہے۔ یہ تجلی الٰہی ہے جس سے پوری کائنات میں رشد و ہدایت کی روشنی ہے۔ رب کائنات کی ایک تجلی کا ظہور کوہ طور پر بھی ہوا تھا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ (الاعراف۔ ۱۴۳)

اس کے رب نے جب پہاڑی پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے

اس تجلی کے بعد اس پہاڑ کا نام ہی جبل دکا رکھ دیا گیا ہے کیونکہ وہ اس تجلی رب سے نیچے دب گیا ہوا ہے۔

Marfat.com

**اعجاز القرآن** :- ۱۳۔ قرآن مجید کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ اس مدبرِ ارض و سما کا جو کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم رکھتا ہے، جو سمیع و بصیر ہے، جو علیم و حکیم ہے، جو عالم الغیب والشہادہ ہے، جو حیّ و قیوم ہے، جو زمین اور آسمانوں کا نور ہے، جس کی چشمِ اقتدار میں ہر وہ چیز ہے جس کا علم زمان و مکاں کی حدود و قیود سے آزاد ہے، جو کائنات کی ہر شے کی حدود و قیود کو متعین کرنے والا ہے جو خود مختار اور آزاد ہے۔ جس کے سامنے ماضی، حال و مستقبل ہیں، جو انسان کے ظاہری اعمال و افعال کو بھی جانتا ہے اور انسان کی ذہنی اور قلبی کیفیات سے بھی باخبر ہے۔ جو انسانی دماغ میں اٹھنے والے خیالات و افکار سے آگاہ ہے جو انسان کے قلب میں اٹھنے والی خواہشات، جذبات اور وساوس سے بھی آشنا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق۔ ۱۶)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں، ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

(۱۴) وہ کم عقل لوگ جو اس کائنات میں ذرا سی شعور کی آنکھ کھولتے ہیں اور پھر اس پوری کائنات کی توضیح کرنے بیٹھ جاتے ہیں تو وہ مفروضات پر اپنی تعبیرات کی عمارت اٹھانے لگتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی عقل کا گھوڑا ایسی دلدل میں پھنس جاتا ہے جہاں وہ اپنی تیز رفتاری ہی کو نہیں بھولتا بلکہ اپنی منزل کو بھی کھوٹی کر بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی بے عقل لوگ جب اپنی اصل کو بھول بیٹھتے ہیں تو پھر وہ ہر چیز کو بھول بیٹھتے ہیں۔ انھیں یہی سوچنے کا احساس پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی تخلیق تو گندے پانی کی ایک بوند سے ہوتی تھی اور اس قطرۂ آب کو گوشت پوست

Marfat.com

میں تبدیل کیا گیا اور اس کے بعد اس کے جسم کو متوازن بنایا گیا اور اس میں آنکھ اور کان کو ایسے باریک اور لطیف نازک ریشوں سے منسلک کیا گیا کہ وہ چلنے پھرنے دیکھنے سننے اور سوچنے و بولنے والا ایک ایسا انسان بن گیا جس کو پوری دنیا کی مخلوقات پر ایک فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ جب اس کی آنکھیں خود اپنی اصلیت پر غور کرنے سے عاری ہو جاتی ہیں تو اس کائنات میں موجود سب سے بڑی اور بنیادی حقیقت اللہ کی طرف اس کا دھیان تو بالکل ہی نہیں جاتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ہر چیز سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ ان عقل پرستوں کے سامنے جب اللہ کا رسول پیغامِ حق لے کر آتا ہے اور انھیں متوجہ کرتا ہے کہ وہ ان کے مالک سے ان کے لئے ضروری ہدایات لے کر آیا ہے، تو وہ فوراً اس پیغمبر کا اور ان تعلیمات کا بھی انکار کر دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ طعنہ دیتے ہیں کہ بات اپنی کرتا ہے اور نام اللہ کا لیتا ہے۔ گویا وہ پیغمبر کو جھٹلانے کے ساتھ کلامِ الٰہی کو بھی جھٹلاتے ہیں اور اسے انسانی کلام گردانتے ہیں۔ ظاہر بات ہے جس نے دنیا کی بنیادی اور سب سے بڑی حقیقت اللہ ہی کو جھٹلا دیا تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کو جھٹلا دے، ایسے ہی سرکش، باغی اور ناہنجار شخص کے لئے بے شمار دلائل ہیں جو اللہ کی ذات کے اثبات میں ہیں۔ لیکن عقل کے پرستاروں، زباں دانی کے دعوے داروں اور فصاحت و بلاغت کے داعیوں کو قرآن چیلنج کرتا ہے کہ اگر یہ کتاب کسی انسان کی تخلیق ہے، رب کا کلام نہیں ہے تو پھر تم اپنی عقلی و فکری قوتوں کو مجتمع کر لو، اپنی لسانی مہارتوں میں کمال پیدا کر لو اس کے بعد اس جیسی کتاب تیار کر کے اس کے مقابلہ میں لے آؤ۔ قرآن کا چیلنج ملاحظہ ہو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا　　اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ

Marfat.com

عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

(البقرہ - ۲۳)

کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کی مانند ایک سورۃ بنا لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر باقی سب ہم نواؤں کو بھی بلا لو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

۱۵۔ اس آیت کریمہ میں قرآن جو چیلنج کرتا ہے اس کے بارے میں آج کا عقلیت پسند شاید یہ گمان کرے کہ یہ تو اس زمانے کے عرب بدوؤں کو ہے جب کہ عرب میں افکار و خیالات کی مشعل روشن نہ تھی اور تہذیب و تمدن میں کوئی ابھار و نکھار نہ تھا اس لئے وہ اس چیلنج کے سامنے عاجز آ گئے۔ لیکن ان ناعاقبت اندیشوں کو کون سمجھاتے کہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات وہدایات زندہ ہیں اس کی زبان زندہ ہے، اس کی حکمتیں لازوال ہیں۔ اس کی ایک ایک آیت میں تابندگی ہے، روشنی ہے، چمک ہے۔

آں کتابِ زندہ قرآن حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم (اقبال)

اس لئے اس کا چیلنج ہر دور کے ملحدوں، خدا کے باغیوں اور عقل پرستوں کو ہے۔ قرآن کا یہ کھلا چیلنج آج کے ترقی یافتہ اور ذہین و فطین انسان کے لئے بھی اسی طرح ہے جس طرح آج سے چودہ سو برس پہلے تھا۔ اس قسم کے نافرمان اور باغی انسانوں کے لئے قرآن ایک اور انداز میں اپنے اس دعویٰ کو مزید جامعیت کے ساتھ دہراتا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش

Marfat.com

الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ — کریں تو نہ لاسکیں گے چاہے وہ سب
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل، ۸۸) — ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں

(۱۶) قرآن کا یہ چیلنج دنیا بھر کے ہر دور کے انسانوں اور جنوں کو ہے۔ اس کے مضمرات یہ ہیں۔

ا۔ الانس اور الجن کہہ کر یہ چیلنج جنسِ انسان اور جنسِ جن کو دیا گیا ہے یعنی جب تک یہ عالمِ رنگ و بو قائم ہے اور اس میں حضرتِ انسان یا جن رونق افروز ہے قرآن کا یہ چیلنج ان کو شامل ہے۔

ب۔ انسانوں کے ساتھ جنوں کو شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کے ماسوا، جنوں کی مخلوق معروف ہے اور جنوں کے سردار ابلیس نے خود کو آگ کی تخلیق کہہ کر اپنی برتری کو قائم کیا تھا۔ اس لئے انھیں بھی چیلنج ہے کہ اپنے تئیں تمہیں جو برتری حاصل ہے اسے بروئے کار لے آئیں۔

ج۔ انس کے ساتھ جن کے تذکرے کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کے علاوہ جو مخلوق بھی ہو اسے بھی قرآن کا یہ کھلا چیلنج ہے۔

د۔ الانس سے مراد ماضی، حال و مستقبل کا انسان ہے۔ اس لفظ کا اطلاق ترقی یافتہ و غیر ترقی یافتہ عالم و جاہل، متمدن و غیر متمدن، مہذب و غیر مہذب ہر نوع کے انسان کو ہے۔

ہ۔ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسانوں اور دوسری مخلوقات کی۔

۱۔ انفرادی کوششیں ہوں یا
۲۔ اجتماعی کوششیں یا
۳۔ ایک مخلوق کی ہوں یا ساری مخلوقات کی مشترکہ کوششیں ہوں۔

Marfat.com

اس قرآن کی مثل کے معنی یہ ہیں۔

۱۔ ایسی حکیمانہ و مدبرانہ تعلیمات کوئی پیش نہیں کر سکتا، کیونکہ مخلوق ویسے بھی خالق کے مثل کچھ بنانے سے قاصر ہے۔ مخلوق کا کلام خالق کے کلام کی برابری کر ہی نہیں سکتا

۲۔ ایسی فصاحت و بلاغت پیش کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

۳۔ ایسی ادبی چاشنی، حروف و کلمات، مفردات و مرکبات کی متوازن و استوار بندش کسی کی صلاحیت میں نہیں ہے۔

۴۔ قرآن کی قرأت و تلاوت جیسی حلاوت کسی انسانی کلام میں نہیں آسکتی۔

۵۔ قرآن کی حفاظت کا جو انتظام ہے وہ کسی اور کے کلام کو حاصل نہیں ہے

## فہمِ قرآن کے تقاضے

:- ۱۷۔ اللہ کا ہم پر یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محسنِ انسانیت، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین کا اُمتی بنایا ہے اور قرآن کی ابدی و لازوال نورانی کرنیں بکھیرنے والی مشعل ہمارے ہاتھ میں تھما کر پوری دنیا میں خلافتِ الٰہیہ کے قیام اور عالمِ انسانیت کی امامت و قیادت کے عظیم اور نازک منصب پر فائز کیا ہے (ہمارے ذِمّے کام یہ لگایا کہ قرآن کے نور سے پہلے اپنے سینوں کو منور کرو، اپنے کردار میں انقلاب لاؤ، اپنی سوچ میں تبدیلی لاؤ، اپنی خواہشات و جذبات کو رب ذوالجلال کی مشیئت، رضا اور خوشنودی کا رنگ دو، پھر کتاب اللہ کی مشعل کو تھامے چہار سو عالم میں پھیل جاؤ۔ تاکہ تاریکی میں گھرے ہوتے انسانوں کو اس کی منور کرنوں سے نشانِ راہ کا پتہ بتا سکو اور انھیں حیاتِ جاوداں کی پُر مسرت بہاروں کے لئے منزل پر پہنچاؤ۔

۱۸۔ مسلمانوں کا مشن جتنا عظیم اور مقدس ہے، اس کی عظمت اور تقدس جس قدر

Marfat.com

محنت و مشقت کا متقاضی تھا وہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہے مسلمان کا مشن اعلائے کلمۃ اللہ ہے جس کے لئے اُسے اس نصب العین کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ (الانعام۔ ۱۶۲) | کہہ دیجئے! میری نماز اور میری تمام دیگر مراسم عبودیت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ |

اس نصب العین پر پورا اترنے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو استوار کریں۔ کیونکہ یہی ہمارے پاس سب سے اہم ہتھیار ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے رسول اللہ کو بھی یہی ترغیب دی ہے۔

| | |
|---|---|
| فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کَبِیْرًا ۝ (الفرقان۔ ۵۲) | پس اے نبی! کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ |

یعنی دنیا میں کفر و شرک کی ضلالت و گمراہی اور خواہشات و جذبات کی پیروی سے جو اندھیرا پھیلا ہے اس اندھیرے سے خود کو بچانے اور پوری انسانیت کو محفوظ کرنے کے لئے اللہ کی کتاب کا چراغ روشن کرنا پڑے گا۔

ایماں کی حفاظت تجھے مطلوب اگر ہے
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان (اقبال)

۱۹۔ قرآن سے ہمارے تعلق کی کیفیات ہی دنیا میں ہماری حیثیت کو متعین کرتی ہیں۔ آج ہماری جو زبوں حالی ہے، ہمیں جس ندامت و شرمندگی کا سامنا ہے۔ ان ساری کیفیات کا رمز شناس اقبال ایک شعر میں انہیں سمو دیتا ہے اور ہمارے لئے اُمیدِ صبح کی کرن طلوع کرتے ہیں

Marfat.com

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر (اقبال)

اقبال یہ کہتا ہے کہ مسلمان اور قرآن جدا ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ مسلمان تو وہ ہے جو قرآن کا عکاس ہو، اور قرآن وہ ہے جو مسلمان کی فوز و فلاح کا ضامن ہے اس لئے مسلمان جینے اور مرنے کے لئے قرآن کی تعلیمات پر کاربند رہتا ہے۔ اس کے کلمات سے اور تعلیمات سے سینوں کو منوّر کرتا ہے۔ اِس کے نور ہی سے ایمان مضبوط و توانا ہوتا ہے، جبینیں جھکتی ہیں، زبانوں پر لا الٰہ الّا اللہ کا ورد جاری ہوتا ہے۔ اور نفسِ انسانی کو سکون و راحت اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، اسی کے نور سے فکرِ انسانی کی سمت درست ہوتی ہے اور اعمال و افعال میں مشیّتِ ایزدی جھلکتی ہے، اتباع نبویؐ اور سنت پیغمبری رواج پاتی ہے۔ اس نور کو زندگی کی راہ پانے کے لئے مشعل کے طور پر اختیار کرنا ہر اس مسلمان پر لازم ہے، جو نشانِ راہ پاکر منزلِ حقیقی کو پہنچنا چاہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن (اقبال)

(۲۰) کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں ہے کہ قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ یہ خدائی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ یہ خدائی حکمت و دانائی سے لبریز ہے، یہ ربانی پیغام ہے اس کے ان بندوں کے نام جنھوں نے صرف رب العالمین کی بندگی کو قبول کیا ہے اور باقی جھوٹے اور خود ساختہ خداؤں سے رشتہ کاٹ لیا ہے جنھوں نے اپنی سوچ و فکر، اپنی خواہش و جذبات، اپنی حرکات و سکنات کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیا ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و احترام اور اطاعت و اتباع کا تعلق استوار کر لیا ہے لیکن اس نورانی کلام سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ:۔

۳۰۳۵۴

Marfat.com

ا۔ طالبِ خیر نیت کی درستگی کے ساتھ اس سے اپنا تعلق قائم کرے۔

ب۔ طالبِ دانائی اس کو عام کتاب تصور نہ کرے بلکہ اسے ربانی والٰہی دانائی کا عکاس تصور کرے۔

ج۔ طالبِ حکمت اس میں غور و فکر کرے پھر اُن حکیمانہ موتیوں کو چن لے جو تزئینِ زندگی کے لئے موزوں سمجھتا ہے۔

د۔ طالب ہدایت اپنے قلب کی سرزمین کو جستجوئے حق کے لئے تیار کرے پھر اس کتاب اللہ میں غوطہ زنی کرے، اسے یقیناً ایسے گوہر ہائے تاب دار میسر آئیں گے جو اس کے سینے کو کھول دیں گے اور دُنیا اور اس سے متعلق دوسری حقیقتیں اس پر منکشف ہوں گی۔

ہ۔ طالبِ حق اس کتاب کی صرف تلاوت پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے پوری تگ و دو کرے اور اس یقین کے ساتھ کرے کہ اسی میں دنیوی و اخروی زندگی کے کامیاب اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اسی میں حق کو بیان کیا گیا ہے، اسی میں معرفت کے پھول کھلے ہیں۔ اسی میں کائنات کی حقیقتوں کا تذکرہ ہے۔

۲۱۔ جو شخص ان نکاتِ خمسہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کتاب اللہ سے اپنا تعلق استوار کرے گا، اس سے بہت کچھ پائے گا۔ وہ دنیا میں ممتاز ہوگا اور آخرت میں سرخرو ہوگا۔ کیونکہ یہ کتاب انسان میں ایک ایسا نور پیدا کرتی ہے جس سے انسان کو اندرونی استحکام اور قوت INNER STRENGTH حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اعتماد آتا ہے، اس میں بے خوفی و رواج پاتی ہے۔ اس میں سکون و طمانیت پیدا ہوتا ہے جس سے اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک چمک آتی ہے جو اہلِ ایمان کے لئے کشش رکھتی ہے، جس سے دینی بھائیوں کے لئے رحمت و شفقت ٹپکتی ہے، لیکن یہی چمک کافروں کے لئے رعب و دبدبے کی ایک علامت بنتی

Marfat.com

ہے۔ ایمانی قوت کی اس چمک سے جو شعاعیں پھوٹتی ہیں وہ بے دینوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں۔ اور ان پر دہشت اور مرعوبیت طاری کرتی ہیں۔ آیئے اس نور سے اپنے سینوں کو منور کرنے کے لئے اپنا تعلق اس کتاب سے استوار کریں اور یہ عہد کریں کہ اپنے ذہنی افق MENTAL HORIZON کو خدائی حکمت و دانائی DIVINE WISDOM سے وسیع کرنے کے لئے ہم اپنے یومیہ معمولات DAILY ROUTINE میں کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے ترجمے کے لئے کم سے کم پندرہ سے تیس منٹ ضرور وقف کریں گے۔

## فہمِ قرآن کے طریقے

:- ۲۲- ہماری زندگی کی کامیابی کا دارومدار اللہ کے احکامات کو ماننے اور رسول اللہؐ کے طریقے اپنانے میں ہے۔ اس لئے ہمارا تعلق قرآن سے ضرور وابستہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن اللہ کے احکامات پر مبنی کتابِ ہدایت ہے اور رسول اللہؐ کی زندگی بھی قرآن ہی کی عملی تصویر ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کسی صحابی کے پوچھنے پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں فرمایا تھا۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (مشکوٰۃ) — آپ کا اخلاق تو قرآن ہی ہے۔

یعنی تعلیماتِ ربانی کی اطاعت کی سچی اور مکمل تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے۔ اس لئے ہمارے لئے لازم ہے کہ قرآن سیکھیں اور رسول اللہؐ کی احادیث اور آپ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری) — تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

۲۳- فہمِ قرآن کے طریقوں پر یوں تو پوری ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں اختصار کے پیشِ نظر صرف دو طریقوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ا۔ فہمِ قرآن کا باطنی طریقہ۔

ب۔ فہمِ قرآن کے ظاہری طریقے۔

**باطنی طریقہ**

ا۔ ۲۴۔ قرآن اور اس کے ابدی و لازوال پیغام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے کلام اللہ ہونے کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

| | |
|---|---|
| اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (البقرہ ۲۸۵) | رسول اور اہلِ ایمان اپنے رب کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت (قرآن) پر ایمان لائے۔ |

یعنی جس رسول پر یہ کتاب نازل ہوتی ہے اس پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اس کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کرے اور جن کی ہدایت کے لئے یہ نازل کی گئی ہے ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ پہلے اس کے کلام اللہ ہونے کا یقین کریں، اس کے بعد ہی وہ اس کے مندرجات سے ہدایت پا سکتے ہیں۔ جب آپ کا تعلق قرآن سے اس بنیاد پر قائم ہو جائے کہ یہ کلام اللہ ہے اور مُنَزَّل من اللہ ہے تو پھر دوسرا مرحلہ آتا ہے اس کو سمجھنے اور اس میں درج تعلیمات کی معرفت حاصل کرنے کا، لیکن قرآن کے مفاہیم و مطالب کی تہہ تک پہنچنے کے لئے پہلو میں اس کے لئے ایک لگن اور اضطراب کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ حقیقت میں یہی لگن اور اضطراب ہی طالب کو فہمِ قرآن کے ظاہری طریقوں کی جستجو میں مستعد کر دے گا۔ اور وہ ان کے لئے کوشاں ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہ فہمِ قرآن کے باطنی طریقہ کے تین مراحل ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے قرآن پر ایمان لانا۔

ب۔ فہمِ قرآن کے لئے پہلو میں لگن اور اضطراب کا موجود ہونا۔

ج۔ معرفتِ قرآن کے لئے جدوجہد اور سعی کے لئے مستعد ہونا۔

Marfat.com

## فہمِ قرآن کے ظاہری طریقے

:- ۲۵- قرآن کو سمجھنے کے ظاہری طریقے ہمارے جسم کے اعضا۔ سے متعلق ہیں یعنی وہ حواس جو رب العالمین نے انسان کو اشیا۔ کی حقیقت کے فہم و ادراک کے لئے عطا کر رکھے ہیں جنھیں ہم حواسِ خمسہ FIVE SENSES کہتے ہیں۔ انہی حواس میں کچھ کو فہمِ قرآن کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ماہرینِ تعلیم نے تعلّم کی ارتقائی منازل کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے فہمِ قرآن کے لئے درج ذیل منازل تجویز کی جاتی ہیں۔

ا- سماعت (سمعی)

ب- بصارت (بصری)

ج- تلاوت۔

د- قرآت۔

ہ- تدبر۔

ز- تذکر۔

## سمعی طریقہ

:- ۲۶- قرآنِ مجید سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلا مرحلہ قوتِ سماعت ہے یعنی کلماتِ ربانی کو پوری احتیاط اور سکون سے سُننا اور سُنتے ہی چلے جانا: کان کلمات و مرکبات کو سُنتے ہیں اور دماغ کے کمپیوٹر کو فراہم کرتے ہیں۔ جو لوحِ دماغ پر نقش ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی صوتی تاثیر رُوحِ انسانی کو گرماتی ہے۔ انسان اس کے مفہوم کو سمجھے نہ سمجھے لیکن اس کی سماعت سے روح مچلتی ہے، قاری جتنا اچھا پڑھنے والا ہو گا، سُننے والا اسی قدر متاثر ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا بچہ بھی پہلے اپنے ماحول میں مختلف آوازیں سُنتا ہے اور پھر انھیں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر ادا کرتے ہوئے وہ اتنی بار ادا کرتا ہے

Marfat.com

کہ اسے خود بخود مفہوم سمجھ آجاتا ہے۔ یہی کیفیت قرآن کے طالب علم کی ہے۔ طالبِ قرآن کو چاہیئے کہ وہ اچھے قُرّاء کی قرآت اور تلاوت کو پورے اہتمام سے بار بار سُنے۔ قرآن مجید میں معلّمِ حقیقی خود یہ ترغیب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

ا۔ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (الاعراف۔ ۲۰۵)

اور جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو جائے۔

ب۔ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا (البقرہ۔ ۹۳)

جو ہدایت ہم آپ کو دے رہے ہیں ان کو مضبوطی سے پکڑو اور کان لگا کر سنو۔

۲۷۔ ان دونوں آیات میں اللہ تعالےٰ نے کلامِ الٰہی اور پیغامِ ربانی کو سُننے کا حکم دیا ہے۔ اچھی سماعت کے لئے خاموشی اور سکوت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی ترغیب دی ہے اور پھر اس انعام کا اعلان بھی فرمایا کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ کیونکہ۔

ا۔ جو شخص کلام اللہ کی سماعت کے لئے تعظیماً خاموش ہوگا تو اللہ تعالےٰ اس کی تعظیم کریں گے۔

ب۔ جو شخص توجہ کے لئے خاموشی اختیار کرے گا تو اللہ پاک اپنے کلمات کی تاثیر اس کے روح و قلب پر نقش کر دے گا جس سے اُسے ایک گوناں راحت اور سکون میسر آئے گا۔

ج۔ جو مسلمان اس کلام کی ہدایات کو جاننے کے لئے اسے خاموشی سے سُنے گا تو اللہ اس کے سینے کو ہدایت کے لئے کھول دیں گے۔

د۔ جو مومن اس بابرکت کلام کی برکات کو سمیٹنے کے لئے خاموش ہوا اور اُسے پوری توجہ سے سُنا تو بلاشبہ اللہ پاک اس مومن کو اپنے انعام و اکرام اور اپنی معرفت سے

Marfat.com

نوازیں گے، اللہ کی برکات اس کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی یعنی اس سکوت سے اسے اللہ کے پیغام کا فہم و ادراک حاصل ہوگا اور وہ حق آشنا ہوگا، پھر اس کی کیفیت فنائیت TOTAL DEVOTION کے درجے میں داخل ہو جاتے گی اور اس کا شمار ان شاہدین حق میں ہوگا جن کی تعریف پروردگار یوں فرماتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدہ: ۸۲)

ترجمہ:- جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لاتے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

۲۸- غیر عرب کو سب سے پہلے قرآن کو اچھی طرح سننے کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ قرآن اور احادیث نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا سننا بھی عبادت ہے اور فائدے سے خالی نہیں، قرآن کو باقاعدگی کے ساتھ سننے سے آپ کا اس کے ساتھ ایک خاص تعلق اور چاہت پیدا ہوگی جو فہم قرآن کی منزل کو ہموار اور آسان کرے گی۔ فہم قرآن کے ابتدائی طالب علم کو ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کیسٹ سے قرآن سننے کا خود کو عادی بنانا چاہیئے۔

**بصری طریقہ** :- ۲۹- قرآنِ مجید کو باقاعدگی کے ساتھ سننے کے نتیجہ میں سامع کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کا دل تڑپنے لگتا ہے اور روح مچلنے لگتی ہے۔ اس سے اس کے دل میں اس عظیم کتاب کو دیکھنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے اور وہ اس اضطراب کو لئے جب قرآن مجید کے اوراق پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس کے

Marfat.com

حروف و کلمات اور آیات و سورتوں کی بندش کا نظارہ کرتا ہے تو وہ ایک کیف و سرور محسوس کرتا ہے اور دیر تک اس پر اپنی نظر ایسے جماتا ہے جیسے کوئی غواص گہرے سمندر میں طویل غوطہ زنی کر رہا ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اس کی زندہ مثال ہے۔ جب آپؓ اپنی بہن کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اندر سے عجیب و غریب کلام کی آواز کانوں میں پڑی۔ اگرچہ اس آواز اور کلام کی تاثیر نے قلبِ عمرؓ کو متحیر و متغیر تو کر ہی دیا تھا لیکن جہالت کی عصبیت ابھی غالب تھی اس لئے دروازہ کھولنے پر بہن اور بہنوئی کو خوب پیٹا لیکن جب جہالت کے غصے نے کوئی کام نہ کیا تو پھر مطالبہ کیا کہ ذرا وہ کتاب مجھے بھی تو دکھاؤ جو میرے آنے سے پہلے یہاں پڑھی جا رہی تھی۔ لیکن بہن نے کہا کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ اس کو پکڑنے اور پڑھنے کے لئے جسمانی صفائی اور طہارت ضروری ہے۔ عمرؓ کا غسل کرنا تھا کہ دل کی میل بھی دُھلنا شروع ہو گئی جونہی کتابِ ہدایت کے حروف و کلمات پر نظر پڑی تو اس میں ایسے محو ہوتے جیسے دنیا و ما فیہا سے بالکل بے خبر ہوں، قرآن کو دیکھنے سے آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور دل پسیج گیا۔ وہ شخص جو چند لمحات پہلے ننگی تلوار تانے رسولِ خدا کو قتل کرنے جا رہا تھا، اس کتاب کی تاثیر سے قاتل سے غلام اور مجرم سے محرم بن گیا اور آستانۂ نبوت میں جا کر قبولِ اسلام کر لیا۔ اس لئے اس کتاب کی برکات کو سمیٹنے اور اس کی تعلیمات کو جاننے کے لئے دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اس کتاب کو باقاعدگی سے دیکھا جائے۔ اپنی نظروں کو اس کے کلمات پر جمایا جائے اور آہستہ آہستہ حروف و الفاظ اور کلمات و مرکبات کی ادائیگی کی کوشش کی جائے۔ بصری طریقہ سے انسانی نگاہیں الفاظ سے مانوس ہوتی ہیں اور دماغ میں ان الفاظ کی بندش COMPOSITION کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جیسے ہی دماغ میں یہ مرحلہ تکمیل کو پہنچتا ہے تو پھر دماغ زبان کو متحرک کرتا ہے اور زبان ان کلمات کو ادا کرنے لگتی ہے۔ گویا زبان سے ادائیگی کے مرحلے کے ساتھ

Marfat.com

ہی فہم کی منزلیں قریب ہونے لگتی ہیں۔ اس لئے جو قرآن پڑھنا نہیں جانتے، انھیں اپنے کام کی ابتدا۔ سمعی و بصری طریقہ سے کرنی چاہیئے۔

**تلاوت** :- ۳۰۔ فہم قرآن کا تیسرا مرحلہ تلاوت کا ہے یعنی قرآن کا پڑھنا، لیکن اس کتاب کا اعجاز ہے کہ اس کے پڑھنے READING کے لئے تلاوت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے لئے صحیح لفظ قرأت کا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کتاب کی بقاء کے لئے ایک خاص اہتمام کرنا تھا اس لئے اس کے پڑھنے کی بھی درجہ بندی کی۔ تلاوت کرنے میں محض پڑھنے MERE READING کا مفہوم نہیں بلکہ بامقصد پڑھنا ہے جس کے ساتھ نفوسِ انسانی کا تزکیہ کرنا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر پروردگار نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ۔۱۵۱)

ترجمہ:۔ میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات تلاوت کر کے سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

۳۱۔ آپ نے غور کیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے بھی پہلا کام تلاوت کا کیا یعنی کتاب اللہ کو پڑھ پڑھ کر سنایا۔ اس تلاوت سے قلوبِ انسانی پر لگے ہوتے زنگ کو اتارا جاتا ہے اور اس پر چڑھے ہوتے جہالت کے دبیز پردوں کو ہٹایا جاتا ہے۔ پھر انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یعنی فہم القرآن کے لئے دل و دماغ کی سرزمین کو تیار کرنے کے لئے قرآن سننے اور اسے دیکھنے کے بعد اس کی تلاوت نہایت ضروری ہے۔ متواتر تلاوت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور انسانی مزاج میں اس پاکیزہ کلام کی

Marfat.com

حلاوت محسوس ہوتی ہے پھر از خود انسان اس میں موجود پیغام کی حقیقت کو پانے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ محسنِ انسانیت نے بھی حکمِ الٰہی کا یوں اعلان کیا ہے۔

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ج (النمل ۹۱، ۹۲)

ترجمہ:- اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔

۳۲- گویا مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کی کتاب کی تلاوت کا حکم بھی مالک کی طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ،

ا- پیغمبر کے لئے بھی اس کی تلاوت ضروری ہے تاکہ اس کی تلاوت سے جو روحانی پاکیزگی میسّر آتی ہے۔ وہ انھیں بھی حاصل ہو۔

ب- پیغمبر کی شخصیت کو چونکہ مسلمانوں کے لئے ایک بہترین عملی نمونہ بننا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ پیغمبر اس کتاب کی تلاوت نہ کرے۔

ج- جب پیغمبر کو اس کی تلاوت کا حکم ہے تو اس کے اُمتی پر اس حکم کا اطلاق بدرجہ اتم ہوتا ہے یعنی ہر مسلمان کے لئے از بس ضروری ہے کہ اس کی تلاوت کرے اللہ پاک اہلِ حق و اہلِ ایمان کی خوبی کا تذکرہ کرتے ہوتے ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط (البقرۃ - ۱۲۱)

ترجمہ:- جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے تلاوت کرنے کا حق ہے وہ اس پر سچے دل سے ایمان بھی لاتے ہیں۔

د- کسی عبارت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ یہ حکم تلاوتِ قرآنِ مجید کو بار بار پڑھنے پر دلالت کرتا ہے۔

۳۳- قرآنِ مجید کا اعجاز ہی یہ ہے کہ یہ ایک پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس لئے اللہ پاک نے اس کی تلاوت کا حکم دیا ہے۔ آپ جب اس کو بار بار پڑھیں گے تو

Marfat.com

اس کی صوتی تاثیر آپ کو ضرور متاثر کرے گی۔ قلب میں لطافت اور نزاکت آتے گی۔ ضلالت و جہالت چھٹنے لگے گی۔ اس کی جگہ نورِ ہدایت لے لے گا، پھر مزاج میں بھی یادِ الٰہی کا میلان پیدا ہو گا اور جب قربِ الٰہی حاصل ہو جاتے گا تو پھر اس کلام کے اسرار و رموز تک رسائی آسان ہو جاتے گی۔ تلاوت کرنے والوں اور تلاوت سننے والوں کی کیفیات کا تذکرہ ربّ ذوالجلال یوں کرتے ہیں۔

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا[1] (مریم: ۵۸)

ترجمہ:۔ جب رحمان کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

۳۴:۔ فہمِ قرآن کے لئے ضروری یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جاتے۔ اسے بار بار پڑھا جاتے، اس کے ساتھ سماعت، بصارت اور تلاوت کا تعلق قائم کیا جاتے۔ اس تعلق سے کلام اللہ کی حلاوت اور مٹھاس ہر ایک کو محسوس ہونا شروع ہو جاتے گی جو فہمِ قرآن کی اگلی منزل کو آسان کر دے گی۔ آیئے یہ عہد کریں کہ ہم قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کا اہتمام ضرور کریں گے۔

## قرآت

:۔ ۳۵۔ قرآت کا اطلاق اچھی پڑھائی GOOD READING پر ہوتا ہے جس میں قاری مخارج کی درست ادائیگی کرتا ہے، تلفظ کی صحت کا خیال کرتا ہے، رموز و اوقاف PUNCTUATION کا لحاظ رکھتا ہے، پھر اس پر لحن اور حسنِ صوت کو بھی دخیل کرتا ہے، کلمات و مرکبات کے تقاضوں کے تحت لب و لہجہ اختیار کرتا ہے۔ ان ساری چیزوں کے اہتمام کے ساتھ کی جانے والی قرآت و پڑھائی یقیناً زیادہ دیر تک نہیں کی جاسکتی اسی لئے ربّ العالمین کا حکم یہ ہے۔

د۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ (المزمل: ۲۰)

ترجمہ:۔ پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

---

[1] آیاتِ سجدہ

Marfat.com

ب۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل: ۴)

ترجمہ:۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

۳۶۔ اچھی پڑھائی GOOD READING کا تعلق باآوازِ بلند پڑھائی LOUD READING کے ساتھ ہے۔ قرأت اسی قسم کی پڑھائی پر دلالت کرتی ہے۔ جب آپ صحیح تلفظ اور صحیح مخارج اور رموز واوقاف کا خیال رکھ کر قرآت کریں گے تو کلامِ الٰہی سمجھنے میں آسانی ہوگی، پھر آیاتِ بالا میں جو دو حکم دیتے گئے ہیں وہ انسانی نفسیات کا خیال رکھ کر دیتے گئے ہیں۔ اسی لئے مفسرین نے ان دونوں احکام سے جو جزوی ہدایات اخذ کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے۔

ب۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے فہم کے راستے کھلتے ہیں۔

ج۔ قرآنِ مجید کو زیادہ تیز نہیں پڑھنا چاہیئے۔

د۔ قرآن کو اتنا پڑھنا چاہیئے جو طبیعت آسانی سے قبول کرلے۔

ہ۔ اتنا قرآن پڑھنا چاہیئے جس میں رغبت اور میلان موجود ہو۔

و۔ اتنا زیادہ قرآن نہیں پڑھنا چاہیئے جس سے اکتاہٹ، تکان اور بوجھ محسوس ہو۔

۳۷۔ فہمِ قرآن کے لئے سماعت، بصارت، تلاوت اور قرآت کے جو طریقے تجویز کئے گئے ہیں یہ براہِ راست طریقے DIRECT METHOD پر دلالت کرتے ہیں یعنی جو لوگ قرآن کے فیضان سے بلا واسطہ مستفیض ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو یہ طریقے اختیار کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ قرآن کا اطلاق تو عربی متن پر ہی ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (یوسف۔ ۲)

Marfat.com

ترجمہ:۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں۔

اس لئے عربی کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تراجم و تفاسیر تو ہیں قرآن نہیں، تراجم و تفاسیر پڑھنے سے آپ کو کسی قدر پیغامِ قرآن سے واقفیت تو ہو سکتی ہے لیکن اس کی روح کو پانے اور اپنی روح کو لذت آشنا کرنے کے لئے متنِ قرآن تک براہِ راست رسائی حاصل کرنا ہوگی، لیکن ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ ہم اہلِ عرب نہیں ہیں۔ اس مشکل کو درج ذیل نکات کو اپنا کر دُور کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ قرآن مجید کو ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مختلف قرا کی کیسٹ سے زیادہ سے زیادہ سُنیں،

ب:۔ قرآنِ مجید کے متن کو دیکھیں،

ج:۔ قرآنِ مجید کی تلاوت باقاعدگی سے کریں اور روزانہ کے معمولات میں اس کے لئے کم سے کم پندرہ منٹ ضرور نکالیں،

د:۔ قرآن مجید کی صحیح قرأت کرنا سیکھیں،

ہ:۔ قرآن مجید کو کسی اچھے ترجمے سے پڑھیں، متن کے ساتھ ساتھ ترجمہ بھی دیکھیں،

و:۔ اگر ممکن ہو تو عربی زبان سیکھیں اور اس کے ساتھ اپنا تعلق استوار کریں،

ز:۔ قرآن کا ترجمہ دیکھنے کے دوران جہاں اشکال DOUBTS پیدا ہوں تو کسی اچھی سی تفسیر کو پڑھیں اور اپنے اشکالات کو دُور کریں،

س:۔ قرآن کی جن آیات کا مفہوم سمجھ میں آجائے اس پر فوراً عمل کرنا شروع کر دیں، اس عمل سے قرآن آپ کی زندگی میں داخل ہو جائے گا، اور جب تعلیماتِ قرآنی پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو آپ کی قرأت سن کر ناظر بے اختیار پکار اُٹھے گا

ع قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

Marfat.com

**تدبرِ قرآن** :- ۳۸۔ تدبرِ قرآن فہمِ قرآن کا انتہائی اونچا درجہ ہے، جو قرآنِ مجید کے عام طالب علم کو سزاوار نہیں، یہ درجہ عام عُلماء قرآن سے بھی کسی قدر اونچا ہے۔ حقیقت میں تدبرِ قرآن اُن متخصصین SPECIALISTS کا میدان ہے جو عربی لغت کے گہرے علم کے بعد قرآن کے متن میں غوطہ زنی کر کے اس سے تفصیلی اور تشریعی احکامات اخذ کرتے ہیں۔ اس کی ترغیب رب العالمین ان کلمات میں دیتے ہیں۔

ا۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ (محمد - ۲۴)

ترجمہ:- کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوتے ہیں۔

ب:- اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النساء: ۸۲)

ترجمہ:- کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا۔

ج۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (ص: ۲۹)

ترجمہ:- یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے (اے محمدؐ) تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

۳۹۔ ان تینوں آیات پر ذرا سے غور سے ایک عام قاری یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ تدبر اور تفکر دو طرح کا ہے۔ ایک عمومی لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کے متن اور اس کے مندرجات پر اور اس کلام کی چاشنی اور مٹھاس سے ذرا سے تامل اور غور

Marfat.com

کے بعد یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، بندے کا نہیں۔ یہ خالق کا کلام ہے مخلوق کا نہیں۔ یہ مالک کا کلام ہے مملوک کا نہیں، یہ ربانی حکمت و دانائی کا مظہر ہے، انسانی ذہانت و فطانت کا عکاس نہیں۔ دوسرا تدبر علماء کا ہے جو اس میں غور و فکر کر کے اس کلام میں موجود قیمتی موتیوں کی تلاش کرتے ہیں، پھر دکانِ فلسفہ میں ان موتیوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ پھر یہ دیگر فلاسفہ کے فکری موتیوں کے ساتھ جب رکھے جاتے ہیں تو قرآنی جواہر پاروں کی چمک دمک اور کشش خریداروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور بہت سے گم کردہ راہ لوگ نشانِ راہ پاتے ہیں اور منزل پر بسلامت پہنچ جاتے ہیں۔

۴۰۔ تدبر قرآن کرنے والے کے لئے درج ذیل بنیادی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

ا۔ عربی زبان سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔

ب۔ علوم القرآن سے آگاہ ہو۔

ج۔ ارکانِ اسلام کا سختی سے پابند ہو۔

د۔ تلاوتِ قرآن اور قرآت کا باقاعدہ اہتمام کرتا ہو۔

ہ۔ خلوت میں غور و فکر، تدبر و تفکر اور ذکر و شکر کرتا ہو۔

ز۔ رزقِ حلال اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو۔

ح۔ اس کا ظاہر و باطن حقیقی تقویٰ کا عکاس ہو۔

**تذکر بالقرآن**:۔ ۴۱۔ فہم قرآن کا سب سے زیادہ موثر طریقہ تذکّر ہے اس کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ یاد کرنا:۔ کسی چیز کو یاد کرنے اور اس کو بار بار دہرانے سے آیات لوحِ قلب پر نقش ہو جاتی ہیں اور ان کا فہم سہل ہو جاتا ہے۔ اور ایک دفعہ کسی متن کا فہم حاصل ہو جانے سے ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کے لئے تحریک پیدا ہوتی ہے

Marfat.com

اور جب قرآن کی کسی آیت پر عمل ہونا شروع ہو جاتا ہے تو پھر وہ انسانی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کو یاد کرنا چاہیئے اور اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (القمر۔ ۱۷)

ترجمہ:۔ ہم نے اس قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے پھر کیا ہے کوئی اس نصیحت کو قبول کرنے والا؟

ب۔ نصیحت کرنا:۔ تذکر بالقرآن کے دوسرے معنیٰ نصیحت کرنے کے ہیں یعنی جب قرآن کا کچھ حصہ یاد کر لیا جائے اور اس کا کسی قدر فہم حاصل ہو جائے تو اس فہم کو پختہ کرنے کے لئے قرآن کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا بھی ایک ذریعہ ہے یعنی جب قرآنی پیغام لسانی طریقے سے دوسرے تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے انسان کی دماغی، ذہنی اور لسانی قوتیں مجتمع ہو کر مربوط و منظم کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں جس سے فہم COMPREHENSION مستحکم ہوتا ہے، قرآنی پیغام کے ابلاغ سے خود میں عمل کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے لئے یہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۰ (الذاریات - ۵۵)

ترجمہ:۔ اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لئے نافع ہے۔

**آدابِ تلاوت**:۔ ۴۲۔ قرآنِ مجید کی برکتوں اور سعادتوں سے پوری طرح مالا مال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تعظیم و تکریم کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور اس کی تلاوت و قرأت کے آداب بھی ملحوظ رکھے جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کلام اللہ ہونے کے ناطے سے ہم اس کے آداب کا جتنا اہتمام بھی کر لیں اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ تاہم ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کرنے پر اکتفا

Marfat.com

کیا جارہا ہے۔

ا۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کے لئے طاہر ہونا ضروری ہے۔ یعنی پاک صاف ہو کر وضو یا غسل کر کے تلاوت کے لئے بیٹھنا چاہیئے۔

ب۔ قرآن مجید کو پکڑے بغیر اگر تلاوت کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے وضو کی شرط نہیں تاہم مستحسن باوضو ہو کر تلاوت کرنا ہی ہے۔

ج۔ قرآنِ مجید کو باوضو ہو کر ہی پکڑنا چاہیئے۔

حکم ربانی ہے،

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ (الواقعہ۔۷۹)

ترجمہ اسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔

د۔ جب قرآنِ مجید کی تلاوت و قرآت کا آغاز کیا جانا ہو تو ضروری ہے کہ سب سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا جائے اس سے قاری کو اللہ کی پناہ نصیب ہو جاتی ہے، ظاہر بات ہے جو اللہ کی پناہ میں آکر اللہ کے کلام کی تلاوت کرتا ہے وہ تو اس کی ساری برکتوں کو سمیٹتا ہے۔ اللہ پاک خود اپنی پناہ میں لوگوں کو آنے کی یوں ترغیب دیتے ہیں،

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (النحل۔۹۸)

ترجمہ:۔ پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ایسا کرنے کی ہدایت اس لئے دی گئی ہے کیونکہ جب آدمی اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیطان اسے بھکانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اسے اخذِ ہدایت اور فکر و فہم کی غلط راہوں پر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے اس لئے آدمی کو اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت انتہائی چوکنا رہنا چاہیئے اور ہر وقت خدا سے مدد مانگتے رہنا چاہیئے۔

Marfat.com

۵۔ قرآنِ مجید کی تلاوت صحتِ لفظی اور ترتیل کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ اللہ پاک کا حکم بھی یہی ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاؕ (المزمل-۴)

ترجمہ:- اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

یعنی آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو تاکہ ذہن پوری طرح کلامِ الٰہی کے مدعا و مفہوم کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو، کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہو جاتے۔

۶۔ قرآن کی تلاوت اتنی دیر تک کرنی چاہیئے۔ جتنی دیر دلی رغبت اور میلان باقی رہے اور جو طبیعت پر آسان ہو اور گراں نہ گزرے، حکمِ الٰہی ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل-۲۰)

ترجمہ:- پس اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

## تلاوتِ قرآن کی تاثیر

۴۳:- قرآن مجید کی تلاوت سے بڑے بڑے دل پگھل جاتے ہیں، رقت طاری ہو جاتی ہے طبیعتیں جذب و مستی کا شکار ہوتے لگتی ہیں۔ ذیل میں تین واقعات درج کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی جب میں نے سورۃ نساء کی یہ آیت پڑھنی شروع کی۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًاؕ (النساء-۴۱)

ترجمہ:- پھر اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

Marfat.com

تو مجھے کسی نے ہاتھ لگا کر متوجہ کیا، میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

ب۔ ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں مردوں کی آخری صف میں تھا۔ آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف۔ ۸۶)

ترجمہ:۔ اس نے کہا! میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔

تو آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی۔

ج۔ حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے مرشد شیخ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میں نے حضرت کو قرآنِ مجید پڑھتے دیکھا، تہجد میں طویل تلاوت فرماتے تھے کبھی رو رہے ہیں۔ جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر استغفار کرتے، ہاتھ جوڑتے اور اپنے رب سے دعا مانگتے۔[1]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی، مطالعۂ قرآن اور اس کے اصول و مبادی۔ ص ۱۹۱

Marfat.com

# قرآن کی فریاد

(ماہر القادری)

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں ۴۴
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول سکھاتے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

Marfat.com

## قرآن کے مطالبات

:- ۴۵-۴۸- آخر میں قرآنِ مجید کے مطالبات کو انتہائی اختصار کے ساتھ نظرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ دنیا میں مظلوم ترین چیز قرآنِ مجید ہے جس پر ظلم خود مسلمانوں ہی نے کیا ہے۔ قرآنِ مجید جو دنیا بھر کے انسانوں کی کامیابی و کامرانی کے لئے نشانِ منزل ہے، ہدایت ہے، فلاح کا ضامن ہے۔ اسی کتابِ ہدایت سے مسلمانوں نے مُنہ موڑ لیا۔ یہ مظلوم اہلِ ایمان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ:-

ا۔ اس کے کتاب اللہ ہونے، اس کے نور ہونے پر دل کی انتہاہ گہرائیوں سے یقین کیا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے۔

ب۔ اس کو ایک بابرکت صحیفہ ماننے پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس یقین کے ساتھ اس کی تلاوت اور قرآت کی جائے کہ اس سے برکتیں اور سعادتیں ملتی ہیں۔

ج۔ اس کی تلاوت و قرآت اس احساس سے کی جائے کہ یہ مالک کا پیغام اور خط ہے۔ جو ہمارے نام ہے جس میں مالک نے ہماری دنیوی و اخروی زندگی کی کامیابی کے لئے رہنما اصول و تعلیمات درج کی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی بھرپور کوشش کرکے پیغامِ الٰہی کو سمجھنا ہے۔

د۔ اس اللہ کے پیغام کو جاننے کے بعد یہ ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اس کی سنہری تعلیمات کو زیبِ کردار کرکے حیاتِ دنیوی کو سنوار لیا جائے۔

ہ۔ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ تاکہ اس کی نورانی تعلیمات سے چہار سو اجالا ہو جائے۔

و۔ اس کے احکام کو اپنی و احباب کی انفرادی و اجتماعی اور قومی زندگی میں نافذ کیا جائے کیونکہ جو لوگ ایسا نہیں کرتے ان کے لئے مالک کی سخت

Marfat.com

وعید ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

(المائدہ - ۴۴)

ترجمہ:- اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ہے
اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں

Marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# الحجرات

۱۔ نام :- اِس سُورۃ کی آیت نمبر ۴ میں لفظ حجرات استعمال ہوا ہے۔ اسی لفظ کو سورۃ کے عنوان کے طور پر انتخاب کر لیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ [۱]

یہ سُورۃ بالاتفاق مدنی ہے، اس کے دو رکوع اور اٹھارہ آیتیں ہیں۔

۲۔ مُباحث :- اس سُورۃ کے مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ساری آیات ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوئیں، بلکہ مختلف مواقع پر ان کا نزول ہوا۔ اس میں جو اہم مباحث مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ ۱:۔ اس سے پہلی دونوں سورتوں یعنی سُورۃ محمد اور سُورۃ فتح میں جہاد کے احکام تھے، جس سے اصلاح عالم و آفاق مقصود ہے۔ اس سُورۃ میں اصلاحِ نفس کے احکام و آداب مذکور ہیں۔[۲]

۲۔ خصوصاً وہ احکام جو آدابِ معاشرت سے متعلق ہیں۔

ب۔ اس سُورۃ میں وہ آداب سکھائے جا رہے ہیں جو حصولِ فیض کے لئے ضروری ہیں، ادب ہی سے تعظیم اور تعظیم سے تعمیل کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔[۳]

ج۔ اس سُورۃ کی ابتدائی پانچ آیتوں میں اہلِ ایمان کو وہ ادب سکھایا گیا ہے جو

---

[۱] الحجرات۔ آیت ۔۴ [۲] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۹۸ [۳] فیوض القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۲۲۷۔

Marfat.com

انھیں اللہ اور رسول کے معاملہ میں ملحوظ رکھنا ہے۔

د۔ پھر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہر خبر پر یقین کر لینا اور اس پر کارروائی کر گزرنا مناسب نہیں، اگر کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی اطلاع ملے تو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ:۔

۱۔ خبر ملنے کا ذریعہ قابل اعتماد ہے یا نہیں۔

۲۔ خبر فی نفسہٖ صحیح ہے یا نہیں۔

ھ۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے[1]۔

و۔ پھر مسلمانوں کو ان برائیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو اجتماعی زندگی میں فساد برپا کرتی ہیں مثلاً مذاق اڑانا، لعن طعن کرنا، برے برے نام رکھنا، بدگمانیاں کرنا، دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا۔ لوگوں کی پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنا۔

ز۔ اس کے بعد ان قومی اور نسلی امتیازات پر ضرب لگائی گئی ہے جو دنیا میں عالمگیر فساد کے موجب ہوتے ہیں، مثلاً خاندانی تفاخر اور نسلی غرور و تکبر۔ آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اصل چیز ایمان کا زبانی دعویٰ نہیں بلکہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول کو ماننا۔ عملاً فرماں بردار بن کر رہنا اور خلوص کے ساتھ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کھپانا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ

---

[1] تفہیم القرآن جلد ۵۔ صفحہ ۶۸ [2] تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۹۔

Marfat.com

اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (۱-۲)

ترجمہ:- اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لاتے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

---

یَا اَیُّھَا (اے) حرف ندا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جو ایمان لائے ہو) قَدَّمَ، یُقَدِّمُ (پیش قدمی کرنا) لَا تُقَدِّمُوْا (نہی) مت آگے بڑھو۔ بَیْنَ۔ درمیان۔ یَدٌ۔ ہاتھ۔ جَھَرَ... یَجْھَرُ۔ بلند کرتا ہے۔ لَا تَجْھَرُوْا بِالْقَوْلِ (نہی) مت آواز بلند کرو۔ حَبِطَ۔ یَحْبِطُ (خراب ہونا، برباد ہونا)

تشریح:- ان آیات کریمہ میں اہل ایمان کو چند ایک اہم آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

۱۔ ایمان کا اولین اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول کو اپنا ہادی و رہبر مانتا ہے تو اس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسول کے فیصلے پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے رکھے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات و تعلیمات جانے بغیر اپنی آزاد مرضی سے فیصلے کرنے لگ جائے، اسی لئے پروردگارِ عالم ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر لی ہے مخاطب کر کے کہتے ہیں، کہ اللہ کی اس روشنی کے آگے نہ چلو، پیچھے چلو، مقدم نہ بنو بلکہ متبع بن کر رہو۔ آج جب کہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول موجود نہیں ہیں، تو اس کے کیا معنی ہوں گے۔ اس کی اطلاقی حیثیت اب یہ ہو گی کہ اہل ایمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اسلامی

Marfat.com

آئین کے یہی دو بنیادی ماخذ بھی ہیں جو متفق علیہ ہیں۔

۲۔ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول کے اِس حکم کے ساتھ اللہ کے خوف کو مربوط کرنے اور پھر اللہ کی دو صفات سمیع (سننے والا) علیم (جاننے والا) کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان پر ایمان باللہ کے نتیجے میں یہ احساس پختہ ہونا چاہیئے کہ انھیں اپنی زندگی میں جو مثبت رویہ بھی اپنانا ہے وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیئے اپنانا ہے اور جن منفی رویوں سے اپنی زندگی کو پاکیزہ رکھنا ہے، وہ اللہ کی ناراضگی کے خوف کے پیشِ نظر کرنا ہے۔ اور ان حسنات کو اپنانے اور سیئات (برائیوں) کے ترک کرنے میں اصلی محرک یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی سُنے یا نہ سُنے، دیکھے یا نہ دیکھے، جانے یا نہ جانے، مگر اس کا پروردگار، جس کی رضا کے لیئے وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے، سب کچھ سننے، دیکھنے اور جاننے والا ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ (اپنی آوازیں بلند نہ کرو) اس آیت کریمہ میں اہلِ ایمان کو گفتگو کے آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یا ایسی مجلس میں جہاں علماء حدیث[1] (محدثین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا درس دے رہے ہوں تو اہلِ ایمان یا متعلمینِ حدیث کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے جو ان کے لیئے قابلِ رشک ہو۔ تعلیماتِ ربانی یہ ہیں۔

۱۔ اہل ایمان کو گفتگو کے دوران اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھنا چاہیئے۔

---

[1] اس آیت کا صریح حکم تو یقیناً رسول اللہ کی مجلس میں آنے والوں کو تھا۔ مگر آپ کے بعد اس حکم کا اطلاق قیاسی طور پر ہر اس مجلس پر ہوتا ہے جہاں کتاب اللہ یا سنت رسول کا ذکر ہو رہا ہو۔ یہ آیت کریمہ بزرگوں کے ادب و احترام اور تکریم پر بھی دلالت کرتی ہے۔

Marfat.com

ب۔ مومنوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بات چیت کے دوران ایسا لہجہ اختیار کریں جس سے ادب و تعظیم اور تکریم و شائستگی ٹپکتی ہو۔

ج۔ گفتگو کا آغاز کرتے وقت متکلم کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ کس ذات سے مصروفِ گفتگو ہے۔ اس لئے اسے حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے۔

د۔ متکلم گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے متکلم کی بات مکمل ہونے دے اور احترام کے ساتھ بات کرنے کی پہلے اجازت چاہیے۔

ھ۔ جو شخص رسول اللہ کی مجلس میں آداب کا خیال نہیں رکھے گا گویا وہ بے ادب اور گستاخ ٹھہرے گا۔ اور اس بے ادبی کی سزا یہ ملے گی کہ اس کے نامۂ اعمال میں جو بھلے کام ہوں گے وہ سب غارت کر دیئے جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۳-۵)

ترجمہ:- جو لوگ رسول اللہؐ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوٰی کے لئے جانچ لیا ہے ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ (اے نبیؐ) بے شک وہ لوگ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لئے بہتر تھا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے

---

غَضَّ۔ يَغُضُّ (نیچے کرنا، پست کرنا)، اِمْتَحَنَ، يَمْتَحِنُ (جانچنا، پرکھنا، امتحان لینا)، نَادٰى۔ يُنَادِىْ (پکارنا، بلانا)، وَرَآءَ۔ پیچھے۔ الحجرات (جمع) حجرۃ

(۷کرہ) عند - پاس - نزدیک۔

**تشریح** :- ۱- اس ارشادِ ربانی سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ جو دِل رسولؐ کے احترام سے لبریز ہیں وہ ان کے تقویٰ کا ثبوت ہے۔ اور جو دِل رسولِ خدا کے احترام سے خالی ہیں وہ درحقیقت تقویٰ سے خالی ہیں۔ کیونکہ تقوے اللہ کی ناراضگی کے خوف سے خود کو برائی، نافرمانی اور بدتہذیبی سے بچانا اور محفوظ کرنا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ جس محترم ذات نے انسان کو خدا آشنا کیا ہو۔ اس کے احترام کو معیارِ تقویٰ نہ بنایا جائے۔ اسی لئے تو علیم وخبیر رب نے ان اہلِ ایمان کو تقویٰ کے اعزاز سے متصف کیا جو رسولِ خدا کے ہاں مؤدب ہو کر نہایت محتاط گفتگو کرتے ہیں۔ آواز میں شائستگی تقویٰ کی علامت ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے دُنیا کی آلائشوں سے خود کو بچاتے ہیں۔ جذبات و خواہشات کی بندگی کے مقابلہ میں اللہ کی بندگی کرتے ہیں، گفتار و کردار میں اللہ کے اوامر و احکامات کو اپناتے اور نواہی سے بچتے ہیں۔ بے شک یہی متقی اور ان کے لئے ہی اللہ کے ہاں اجرِ عظیم ہے۔

۲- اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو عقل سے عاری قرار دیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور آرام کا خیال کئے بغیر آپ کے گھر کے باہر اونچی اونچی آوازوں میں آکر آپؐ کو پکارتے ہیں، اور اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ رسول اللہ کو دعوت الی اللہ کے کام کے علاوہ اپنے آرام اور اپنی نجی زندگی کے لئے بھی کچھ وقت درکار ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو کسی کے گھر میں جاکر ان آداب کو ملحوظ نہ رکھیں جو عام اخلاقی ضابطے کے تحت اپنانا ضروری ہیں تو بلاشبہ یہ رویہ معقولیت کے خلاف ہے اور زائر کے بے عقل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے جو اہم تعلیمات

Marfat.com

ہماری معاشرتی زندگی کی تزئین کے لئے اخذ کی جاسکتی ہیں، وہ یہ ہیں،

ا۔ کسی زائر[1] کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی کے گھر جاکر خواہ مخواہ آوازیں لگاتا پھرے۔

ب۔ زائر کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ نامناسب اوقات میں کسی کے ہاں زیارت یا ملاقات کے لئے جائے۔

ج۔ زائر پر لازم ہے کہ وہ

۱۔ دروازہ کھٹکھٹائے یا گھنٹی بجائے[2]۔

۲۔ اگر اندر سے آواز نہ آئے تو تین مرتبہ گھنٹی دے کر واپس آجائے۔

۳۔ اگر اندر سے آواز آئے تو اس وقت تک انتظار کرے جب تک صاحبِ خانہ اندر آنے کی اجازت نہ دے۔

د۔ زائر کو اپنی ملاقات زیادہ طویل نہیں کرنی چاہیئے۔

ھ۔ زائر کو دورانِ ملاقات نہایت شائستہ گفتگو کرنی چاہیئے اور اپنی آواز کو پست رکھنا چاہیئے تاکہ اس کی بلند آوازی سے گھر میں موجود

۱۔ بیمار بے آرام نہ ہو۔

۲۔ بزرگ ایذا کا شکار نہ ہو۔

۳۔ دیگر افراد کے آرام میں خلل نہ پڑے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا ...... اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آنے والوں کے لئے صبر کرنے ہی میں ان کی بہتری تھی۔ کیونکہ

ا۔ آوازیں دے دے کر جو انھوں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا تھا اس

---

[1] زائر۔ ملاقاتی [2] دروازہ کھٹکھٹانے میں بھی یہ ادب تعلیم کیا گیا ہے کہ ایسے انداز میں کھٹکھٹایا جائے کہ اگر صاحب خانہ سو رہا ہے تو اس کے آرام میں خلل انداز نہ ہو۔

Marfat.com

کے نتیجے میں

۱۔ ایک طرف تو وہ رسول اللہ کی بے ادبی کے جرم کے مرتکب ہوتے۔

۲۔ دوسری طرف انہوں نے رسول اللہ کو تکلیف پہنچائی۔

۳۔ تیسری یہ کہ رسول اللہ سے جو کچھ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے وہ مراد پانے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کا غضب اور ناراضگی اپنے حصہ میں لے کر گئے۔

ب۔ اگر وہ رسول اللہ کے برآمد ہونے کا اطمینان وسکون سے انتظار کرتے تو اس صبر اور انتظار پر

۱۔ اللہ سے اجر کے مستحق قرار پاتے۔

۲۔ رسول اللہ کے احترام پر رسول اللہ کی خوشنودی کا انعام حاصل کرتے۔

۳۔ جس مسئلہ کی بابت دریافت کرنے آتے تھے اس کا تسلی بخش جواب پاتے۔

ج۔ ماحول کی پاکیزگی اور اس میں تہذیب و شائستگی کو برقرار رکھنے والے اللہ سے انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اور اگر مؤدب وشائستہ افراد سے دانستہ یا نادانستہ، ارادۃً یا سہواً کوئی غلطی ہو بھی جاتے تو اللہ پاک ان کے مجموعی مثبت رویہ کی وجہ سے ان خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں اور وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا رویہ اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کے ساتھ شفقت اور رحمت کا ہے۔

۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (۶)

ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

---

جاءَ۔ یجیءُ۔ (آنا۔ لانا)، تبیّن۔ یتبیّنُ (تحقیق کرنا۔ واضح کرنا۔ غور و تامل کرنا)

Marfat.com

اَصَابَ ۔ یُصِیْبُ (پہنچنا ۔ پیش آنا)، مُصِیْبَۃٌ (تکلیف، آزمائش)، نَبَاءٌ ۔ خبر
اَصْبَحَ ۔ یُصْبِحُ (ہو جانا)، فَعَلَ ۔ یَفْعَلُ (کرنا)

**تشریح** :- اس آیتِ کریمہ میں تین الفاظ قابلِ غور ہیں۔

۱۔ ا۔ فَاسِقٌ ۔ ب ۔ نَبَاءٍ ۔ ج ۔ یَتَبَیَّنُوْا

۲۔ فَاسِقٌ :- اللہ پاک نے کافر، مشرک اور منافق[۱] کے علاوہ فاسق کی اصطلاح بھی اپنے باغیوں کے لئے استعمال کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں ان فاسقین کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (البقرۃ ۔ ۲۶ ۔ ۲۷)

ترجمہ :- اور گمراہی میں وہ انہیں ہی مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں، اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۳۔ اس آیت میں فاسق کے منفی کردار کے تین پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

---

[۱] کافر: وہ شخص ہے جو اللہ، رسول، آخرت، فرشتوں اور آسمانی کتب کا انکار کرتا ہے۔
مشرک: وہ شخص جو اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے حقوق اور اس کے اختیارات میں کسی اور کو شریک کرے
منافق: جو زبانی طور پر اللہ اور دیگر اجزائے ایمان کا اقرار کرے مگر دل سے ان کی تصدیق نہ کرے یعنی عملی شہادت کا فقدان ہو۔ اسی لئے محدثین نے رسول اللہ کی روایت اور فقہا نے شرعی حکم کے سلسلہ میں فاسق کی روایت اور شہادت کو قبول نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ ناقابل اعتماد ہے۔

Marfat.com

ا۔ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے پیمانِ بندگی و اطاعت کو جفا کرتا ہے۔

ب۔ اللہ نے جن رشتوں اور جن احکام کو مربوط و منظم کرنے کا حکم دیا انھیں توڑتا ہے۔

ج۔ اللہ کی زمین میں قانونِ الٰہی کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی سے فساد برپا کرتا ہے۔ فاسق سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنے قول و فعل میں اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑتا ہے، جو خدا کی مقرر کردہ حدود کو پامال کرتا ہے اور اللہ و رسول کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت پر چلنے کی بجائے اپنی خواہشات کے کھینچے ہوئے خطوط پر گامزن ہوتا ہے، ظاہر بات ہے ایسے آدمی کی خبر کیسے معتبر اور قابلِ قبول ہو سکتی ہے، جب فاسق کی اپنی حیثیت ہی قابلِ اعتماد نہیں ہے تو پھر اس کی خبر پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ نَبَأٌ۔ نبأ کے معنی خبر کے ہیں، لیکن عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق اس خبر پر ہوتا ہے جو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہو۔ لفظ خبر بھی عربی ہی کا ہے۔ جب نبأ کا لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد اہم خبر ہوتی ہے۔ اس لئے جب کوئی شخص کوئی غیر معمولی خبر دے رہا ہو تو پھر اس خبر سے متعلق تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اس خبر سے جو نتائج و اثرات متعلق ہیں ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے تاکہ بعد کی ندامت و شرمندگی سے بچا جائے۔

۵۔ فَتَبَيَّنُوا:۔ "فَتَبَيَّنُوا" پس تحقیق کر لیا کرو۔ اس لفظ کا اطلاق مخبر اور خبر دونوں پر ہوتا ہے۔ اس حکم ربانی سے ہماری عسکری زندگی کے لئے درج ذیل تعلیمات ملتی ہیں۔

ا۔ ایک ایسی وحدت اور تنظیم ہونی چاہیئے جو دشمن کی معلومات کو حاصل کرنے کا کام کرے۔

Marfat.com

ب۔ اس تنظیم کے کارندوں کا انتخاب کرتے وقت ان کے ایمان و کردار کی پختگی غیر مشکوک ہونی چاہیئے۔

ج۔ اس تنظیم یا ادارے میں ایک ذیلی ادارہ ہونا چاہیئے یا ایک مستقل ادارہ قائم ہونا چاہیئے جس میں۔

۱۔ مخبروں کا تجزیہ ہو۔

۲۔ خبروں پر جرح و تعدیل ہو۔

۳۔ دشمن کی افواہوں کا جائزہ ہو۔

۶۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب قبیلہ بنی المصطلق مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ نے اپنا ایک کارندہ[1] ان کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا۔ آپ کا کارندہ اہل قبیلہ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ آیا اور واپس آکر شکایت کر دی کہ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ جس پر رسول اللہ کا برہم ہونا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ آپ نے اس قبیلہ کی سرکوبی کے لئے مہم کی روانگی کی ٹھان لی، اس پر اس قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار نے جو ام المومنین حضرت جویریہؓ کے والد تھے اس انکار کی نفی کی، اس لئے اللہ پاک نے ایک قاعدہ کلیہ اسلامی ریاست کے لئے وضع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

مسلمانوں کی حکومت کے لئے[2] یہ جائز نہیں کہ کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی کارروائی ایسے مخبروں کی دی ہوئی خبروں کی بناء پر کر ڈالے جن کی سیرت بھروسے کے قابل نہ ہو۔

بیعتِ رضوان بھی اسی طرح کی ایک غلط خبر کے نتیجے میں واقع ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ قریشِ مکہ نے آپ کے امن کے ایلچی حضرت

---

[1] ولید بن عقبہ بن ابی معیط [2] تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۷۴۔

Marfat.com

عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کر دیا ہے تو آپ نے تمام صحابہ کرام سے جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بیعت لی، مگر بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ اس لئے اللہ پاک نے مستقبل کی ندامت اور شرمندگی سے بچانے کے لئے اہلِ ایمان کو اس بات کا پابند کیا کہ خبر کی خوب چھان بین کر لیا کرو، اس سے منتج ہونے والے نتائج کا اچھی طرح جائزہ لیا کرو، اپنے لائحہ عمل کے نشیب و فراز کا تجزیہ کرو، پھر احباب اور اربابِ فکر و دانش سے مشورہ کر لیا کرو۔ اس کے بعد جس چیز پر شرح صدر ہو جاتے تو اس پر پورے اعتماد، بھرپور قوتِ ارادی اور توکل علی اللہ کرتے ہوئے عملی اقدام کرو۔ اللہ آپ کا ساتھی ہوگا اور آپ کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۷، ۸)

ترجمہ:۔ خوب جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ۔ مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لئے دل پسند بنا دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راست رو ہیں، اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

---

اِعْلَمُوْا (امر) تم جان رکھو، اَطَاعَ۔ يُطِيْعُ (اطاعت کرنا، مان لینا) حَبَّبَ (محبت دی)، كَرَّهَ (ناپسند کیا)، عِصْيَان (نافرمانی) اُولٰۗىِٕكَ (یہ سب لوگ) رَاشِدْ (راست رو، سیدھا چلنے والا)، عَنِتُّمْ۔ عَنَتٌ سے مشتق ہے (گناہ، مصیبت میں مبتلا ہونا)

Marfat.com

تشریح :- ۱- ان آیات کریمہ میں ایک اور اہم قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے جس کے تحت اہل ایمان کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے،

مشورہ طلب اُمور میں کوئی رائے دینا تو درست ہے، لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق ہی عمل کریں یہ درست نہیں کیونکہ حق تعالٰی نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی وہ تمہیں حاصل نہیں۔[1]

۲- ان آیات پر تدبر و تفکر کے نتیجے میں یہ مترشح ہوتا ہے۔

ا- اہل ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا احساس کرنا چاہیئے اور اس بات کا یقین کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ کا علم اور ذرائع علم ان سے زیادہ ہیں۔

ب- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مصالح اور مفادات کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔[2]

ج- اہل ایمان کا یہ چاہنا کہ اہم معاملات میں جو رائے انھوں نے مناسب سمجھی اور رسول اللہ کو پیش کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر عمل کریں، سخت بےجا جسارت ہے۔

د- اہلِ ایمان کا اصلی کام اتنا ہی ہے کہ وہ اپنی بہترین فکری، ذہنی اور تجزیاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی سفارشات پیش کر دیں اور اللہ سے اس مخلصانہ کاوش کے اجر کی امید رکھیں۔ کیونکہ یہی ایمان کا تقاضا اور اتباع رسولؐ کی ضرورت ہے۔

ھ- اہل ایمان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ ان کے اپنے پاس تو صرف اپنی عقل ہے جس پر ان کی معلومات کا انحصار ہے۔ جب کہ رسول اللہ کے پاس الہام و وحی کے علاوہ

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۰۹ [2] تفہیم القرآن جلد ۵ صفحہ ۷۵۔

Marfat.com

بصیرت الٰہی بھی ہے اس لئے مآل اور انجام کار کے اعتبار سے رسولِ خدا کے فیصلے ہی درست اور صحیح ہوں گے۔

و۔ جو لوگ اپنی آراء پر اصرار کرتے ہیں وہ اپنی آراء کے برے انجام سے آگاہ نہیں ہیں جب کہ رسول خدا اپنے پروردگار کی طرف سے مطلع کر دیتے جاتے ہیں۔ اگر رسول اللہ تمہارے اصرار کو دیکھ کر اثرات و نتائج سے بے نیاز ہو کر کوئی بھی اقدام کریں تو اس میں نصرتِ الٰہی تمہارے ہم رکاب نہیں ہو گی۔ اور پھر تمہیں مشکلات اور پریشانی بھی اٹھانی پڑے گی اور خدا کے ہاں گنہگار بھی ہو گے۔

ز۔ جو لوگ اپنی آراء دے کر رسول اللہ کی صوابدید کے منتظر ہو جاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے رب کا فضل و احسان ہوتا ہے۔ اللہ ان کے لئے نہ صرف ایمان کو پسند کرتا ہے بلکہ ان کے قلوب میں ایمان کو سجاتا ہے جس سے اطاعت و فرمانبرداری کے دریچے کھل جاتے ہیں اور کفر و فسق اور نافرمانی لوحِ قلب سے صاف ہو جاتی ہے۔ کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے دور ہو جاتی ہے اور غلط روی کی جگہ راست روی لے لیتی ہے۔

۸۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۹-۱۰)

ترجمہ:۔ اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں، تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ اور پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ

Marfat.com

آ ئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

---

طائفۃ۔ گروہ۔ طائفتان۔ دو گروہ۔ اِقْتَتَلُوْا (لڑ جائیں) بَغَی۔ یَبْغِیْ۔ باغی ہو جائے تَفِیْءَ۔ پلٹ آئیں۔ اَصْلِحُوْا (صلح کراؤ) اَخٌ (واحد) اِخْوَۃٌ (جمع) بھائی۔

تشریح:- ۱۔ قرآن مجید اصول و قواعد کی کتاب ہے۔ اس کی زیادہ تر تعلیمات انہی قواعد و ضوابط اور اصول و کلیات پر منحصر ہیں۔ ان دو آیتوں میں بھی نہایت ایجاز اور اختصار کے ساتھ اسلامی معاشرہ کی تنظیم اور وحدت کی اساسی تعلیم دی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد کے باہمی تعلق کی بنیاد اسلامی اخوت پر ہے۔

۲۔ اسلامی اخوت میں اگر کبھی کسی وجہ سے رخنہ پڑنے لگے تو اس کے سدِ باب کے لئے ہدایاتِ ربانی یہ ہیں۔

ا۔ اگر دو مسلمان آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان دیگر اہلِ ایمان صلح کرا دیں۔

ب۔ صلح کرانے والوں کو تحقیق کر کے متعین طور پر معلوم کرنا چاہیئے کہ حق کس گروہ کے ساتھ ہے اور ناحق کون ہے۔

ج۔ اگر زیادتی کرنے والا گروہ اپنی زیادتی سے باز نہ آئے اور صلح کرانے والوں کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے سرکشی اور زیادتی پر مُصر رہے تو مسلمانوں پر یہ شرعی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت میں کمربستہ ہو جائیں یا ہتھیار بند ہو کر ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

د۔ ظالم کے خلاف یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہنی چاہیئے جب تک مظلوم

Marfat.com

کی دادرسی نہ ہو جائے یا ظالم صلح کے لئے آمادہ نہ ہو جائے۔

ھ۔ جب باغی گروہ یا زیادتی کرنے والے آمادۂ صلح ہو جائیں تو اہلِ ایمان کا کام یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں میں فیصل اور ثالث کا فرض انجام دیں اور دونوں میں سے کسی کے سامنے فریق نہ بنیں اور نہ ہی ظالم گروہ کی وقتی مخالفت اتنا برانگیختہ کر دے کہ عدل و انصاف کا دامن چھوٹنے لگے۔

و۔ زیادتی کرنے والے گروہ کا صلح پر مائل ہونا، چاہے وہ عام مسلمانوں کی مشترکہ قوت کے مقابلے میں ہزیمت کے نتیجے ہی میں ہوا ہو، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عام مسلمان پھر اپنی اصلی حالت صلح کرانے پر لوٹ آئے اور دونوں گروہوں کے معاملات کی چھان بین کر کے صحیح صحیح فیصلہ کریں۔

ز۔ صلح کرانے کے لئے عدل اور قسط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابل قدر چیز نہیں جو حق اور باطل کے فرق کو نظر انداز کر کے محض لڑائی کو روکنے کے لئے کرائی جائے اور جس میں برسر حق گروہ کو دبا کر زیادتی کرنے والے گروہ کے ساتھ بے جا رعایت برتی جائے۔ اس سے بار بار فساد برپا ہونے کی نوبت آتی ہے اس لئے اگر عدل اور قسط کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فریقین میں صلح کرائی جائے اور حق دار کو اس کا حق دلا دیا جائے تو اس سے پائیدار اور مستقل بھائی چارہ قائم ہوگا۔

س۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یہ آیت دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے۔ اس برادری کی اساس ایمان ہے، اسلام اس برادری کے افراد کے درمیان ایک واسطہ اور رشتہ ہے۔ جس سے دُنیا بھر کے مسلمان باہم دیگر منسلک ہیں، اس حکم کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بکثرت بیان فرمایا

Marfat.com

ہے جن سے اس حکم کی روح سمجھ آجاتی ہے۔ چند ایک اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی۔

ا۔ نماز قائم کرنے۔

ب۔ زکوٰۃ دینے

ج۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے (بخاری)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے (بخاری)

۳۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے تنہا نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا (مسند احمد)

۴۔ مومنوں کی مثال آپس میں ایک جسم کی ہے، جیسے جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے (مسلم)

ط۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ کے خوف کو رہنما بناؤ۔ اللہ کے خوف سے تم کو انصاف کرنے میں مدد ملے گی۔ اپنے بھائیوں کے معاملہ میں رحم و مہربانی کا رویہ اختیار کرو گے اور جواباً اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں گی۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ

Marfat.com

الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ
اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۔ (۱۱ - ۱۲)

ترجمہ :- اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایکدوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے ۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

---

سَخِرَ۔ یَسْخَرُ۔ مذاق اڑانا۔ اس سے اردو میں لفظ تمسخر بنا ہے۔ سَخَّرَ۔ یُسَخِّرُ۔ ماتحت کرنا۔ عَسٰی ۔ ہو سکتا ہے۔ لَمَزَ۔ یَلْمِزُ۔ عیب لگانا۔ آنکھ سے اشارہ کرنا۔ لُمَزَۃٌ لوگوں کے عیوب نکالنے والا۔ تَنَابَزُوْا ، بِالْاَلْقَابِ۔ ایک دوسرے کو شرم دلانا ایک دوسرے کو برا لقب دینا۔ اَلْقَاب۔ جمع لقب کی۔ نام۔ اِجْتَنَبَ۔ یَجْتَنِبُ۔ پرہیز کرنا۔ اِجْتَنِبْ پرہیز کرو۔ اِجْتِنَاب۔ پرہیز۔ ظَنٌّ ۔ گمان۔ یَغْتَبُ۔ غیبت کرنا۔ لَحْمٌ۔ گوشت مَیْتًا۔ مردہ۔ تَوَّابٌ۔ توبہ قبول کرنے والا۔

**تشریح** :- ۱۔ پچھلی دو آیات میں اہل ایمان کو باہمی اخوت کے بارے میں

Marfat.com

ترغیب دی گئی ہے، اس کے ساتھ ایک کلیہ و قاعدہ بھی وضع کیا گیا ہے کہ اگر کبھی دو مسلمان گروہوں کی باہمی اخوت میں رخنہ پڑ جاتے اور وہ باہم دیگر برسرِ پیکار ہو جائیں تو ملت کے دوسرے افراد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کے اختلافات کو دُور کر کے انھیں صُلح پر آمادہ کریں اور ان کے درمیان خوشگوار تعلقات کی بحالی کی کوشش کریں، یہ ہدایت اس لئے دی گئی ہے کہ مسلمان کا کام باہمی جنگ و جدل اور نزاع و تکرار نہیں، اس کو تو اعلائے کلمۃ اللہ کا عظیم مشن دے کر بھیجا گیا ہے اور اس کا نصب العین تو یہ ہے کہ اس کی نماز، قربانی، زندگی اور موت سب کی سب اللہ کے لئے ہے، جب اس کی ہر چیز اللہ رب العالمین کے لئے ہے تو پھر اس کا باہمی نزاع یا تو پیدا ہی نہیں ہونا چاہیئے اور اگر کبھی ہو جائے تو اسے فوراً دُور ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس عظیم مشن کے لئے ملّت اسلامیہ کے ایک ایک فرد کو جسدِ واحد کی صورت میں کفر کے خلاف کھڑا ہونا ہے اور اسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننا ہے مسلمانوں کے مابین ناراضگی کو دُور کرنے کے لئے ہی تو محسنِ انسانیت نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ۔ (مشکوٰۃ)

"کسی مومن کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے"

۲۔ اس ارشاد نبویؐ میں تین دن کی حد اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اگر اس باہمی ناراضگی کا مداوا اس عرصہ میں کر لیا جائے تو باہمی رنجش ختم ہو سکتی ہے اور اگر عرصہ طویل ہوتا چلا جائے تو رنجش نفرت میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے دل پر کینہ، بغض اور عداوت کے دبیز پردے چڑھنا شروع ہو جاتے ہیں اور معمولی تکرار و ناراضگی بڑی دشمنی پر منتج ہوتی ہے۔ اس لئے مومن کا حقیقی کام یہی ہے کہ نفرت و عداوت

Marfat.com

کاناسور پھیلنے سے پہلے ہی اپنے مسلمان بھائی کو راضی کر لے، اس سے صلح کر لے، اس سلسلہ میں ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ جب دو مسلمان بھائی ناراض ہوتے ہیں تو شیطان بہت خوش ہوتا ہے۔ ان کے درمیان غلط فہمیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ اگر ایک مسلمان کی طرف سے صلح کی جاتی ہے، تو فریقین میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ اس نے زیادتی کی ہے وہ معافی مانگے۔ فریقین کے اس مؤقف میں بھی کسی قدر شیطان کی چال کارفرما ہوتی ہے۔

بندۂ مومن کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی محبت و نفرت، دوستی و دشمنی کا کا معیار اللہ کی رضا کو رکھے، اس لئے جب ایک مسلمان دوسرے بھائی سے صلح کرے تو اسے ایک نیکی سمجھ کر کرے اور اللہ کی خاطر اپنے مسلمان بھائی کو راضی کرنے میں پہل کرے کیونکہ اللہ پاک کا حکم بھی یہی ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرہ - ۱۴۸)

پس نیکی کے کام میں پہل کرو۔

بلاشبہ پہل کرنے والے کے حصے میں زیادہ سعادتیں آئیں گی، اللہ کی رحمتیں اس پر سایہ فگن ہوں گی۔ معاشرتی و اجتماعی زندگی میں رفقاء و احباب میں اختلاف پیدا ہونا، ناراضگی ہو جانا بعید از امکان نہیں ہے۔ لیکن اصل احتیاط یہ کرنا ہے کہ کبھی بھی ذاتی انانیت اور نفسانیت کے لئے یہ اختلاف عداوت کا روپ نہ دھارنے پائے اور نہ یہ رنجش نفرت کو پہنچنے پائے بلکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں تین دن کے اندر اندر صلح کے کام میں پہل کرنا چاہیئے۔

۳۔ ان دو آیات میں ان بیماریوں اور معاشرتی برائیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اسلامی معاشرہ میں پراگندگی اور خرابی کا باعث بنتی ہیں، ان برائیوں سے اگر پرہیز کر لیا جائے تو وہ محرکات ہی معدوم ہو جائیں گے جو افراد یا گروہوں میں غلط فہمیوں

Marfat.com

کو جنم دیتے ہیں۔ آیئے ذرا ان بیماریوں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیں۔

ا۔ تمسخر اڑانا۔

ب۔ طعن و تشنیع کرنا۔

ج۔ بُرے نام رکھنا۔

د۔ گمان کرنا۔

ہ۔ تجسس کرنا۔

و۔ غیبت کرنا۔

ان برائیوں پر ذرا غور کے بعد ایک عام انسان کو نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے کہ انسانی تعلقات میں بگاڑ کا سبب ان ہی میں سے کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے۔ جس کی ابتداء تو تکرار سے ہوتی ہے لیکن انتہا عداوت اور قتل و غارت ہوتی ہے۔ اب باری باری ان برائیوں کا اختصار و ایجاز کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

**تمسخر اڑانا**:۔ ۴۔ تمسخر اڑانے یا مذاق کرنے سے مراد محض زبان ہی سے کسی کی تضحیک کرنا نہیں ہے بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف مضحکہ خیز اشارے کرنا، اس بات کی یا اس کے کام یا اس کی صورت، یا اس کے لباس پر ہنسنا اس کے کسی نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ دوسرے اس پر ہنسیں، یہ سب بھی مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے میں داخل ہیں[1]۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اسے سخریہ یا تمسخر کہتے ہیں یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے[2]۔ اس کا دوسرا نام استہزاء بھی ہے۔

۵۔ آیتِ کریمہ میں مردوں اور عورتوں کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ مرد دوسرے

---

[1] تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۸۵ [2] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۱۵۔

Marfat.com

مردوں کا اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں بلکہ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں اور عورتوں کے لئے مردوں کا مذاق اڑانا بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں ان دونوں کا الگ الگ ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اسلام میں چونکہ سرے سے مخلوط سوسائٹی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس لئے ان کا باہم دیگر مذاق کرنے کے کوئی مواقع موجود نہیں ہیں۔ اسلام میں غیر محرم مرد اور عورتیں کسی مجلس میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں کہ وہ ہنسی مذاق کرسکیں، ہمارے معاشرے میں مردوں اور عورتوں کا باہمی میل جول مغربی تمدن سے مستعار لیا گیا ہے اور یہ دورِ غلامی کی یادگار ہے۔ اسلام میں عورتوں اور مردوں کا باہمی اختلاط اور مجلس آرائی شرعًا ممنوع اور مذموم ہے۔

**طعن و تشنیع کرنا** :- ۶۔ طعن و تشنیع کے لئے اصل لفظ لَمَزَ (لمز) استعمال ہوا ہے جس کے اندر طعن و تشنیع کے علاوہ متعدد دوسرے معانی بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا، کھلم کھلا یا زیرِ لب اشاروں سے کسی کو نشانۂ ملامت بنانا۔ اس آیت کریمہ میں لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اپنے اوپر طعن نہ کرو) کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں، اسی طرح ایک اور مقام پر لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) کے الفاظ بھی انسانی نفس کے اوپر دلالت کرتے ہیں، یہ کلامِ الٰہی کی بلاغت ہے کہ اس میں معنی کی جامعیت پائی جاتی ہے۔ ذرا سے غور کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس اسلوب کو اختیار کرنے میں درج ذیل معنویت پائی جاتی ہے۔

ا۔ جو شخص کسی دوسرے کی عیب چینی کرتا ہے وہ حقیقت میں خود بیمار ہے۔ اس کی یہ حرکت اور اس کا یہ رویہ بیمار ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ گویا وہ دوسروں پر اعتراض کرکے اپنی سوچ کی ٹیڑھ کا اظہار کرتا ہے اس لئے یہ کہا گیا کہ اپنے اوپر طعن نہ کرو۔

ب۔ دوسروں کی عیب جوئی کرنے والے کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ وہ خود دوسروں

Marfat.com

کی چوٹوں اور پھبتیوں کا نشانہ بھی بنے گا۔ اور اس کی وہ کمزوریاں جو تا حال پوشیدہ تھیں نمایاں ہوں گی، گویا اس کا اپنا فعل اپنی ہی شہرتِ عرفی کو دھچکا لگانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس لئے ہر انسان کو اگر اپنی عزت اور وقار عزیز ہے تو اسے چاہیئے کہ دوسروں کی عزت و وقار کو عزیز جانے اور کوئی ایسی بھونڈی حرکت نہ کرے جس سے دوسروں کا وقار مجروح ہو۔

ج۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور وہ جسدِ واحد کی طرح ہے۔ اس لئے ایک مسلمان اگر دوسرے مسلمان کی عیب چینی کرتا ہے تو گویا وہ اپنی ہی عیب جوئی کر رہا ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

## تنابز بالالقاب (برے نام رکھنا)

۷۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ اس حکم کا منشا یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسے نام سے نہ پکارا جائے یا ایسا لقب نہ دیا جائے جو اس کو ناگوار ہو جس سے اس کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو۔ یعنی ہر وہ نام یا لقب جسے دوسرا ناپسند کرے، جس سے دوسرے کی شہرت کو بٹہ لگے۔ جس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہو، اسی زمرے میں آتا ہے۔ اور ایسے ہی ناموں اور القاب سے پکارنے کو منع کیا گیا ہے، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق کسی چور، زانی شرابی کو توبہ کرنے یا اس پر حد جاری ہو جانے کے بعد بھی چور، زانی، شرابی کہنا حرام ہے۔ یا کسی کے مسلمان ہو جانے کے بعد اسے پہلے مذہب سے پکارنا حدیث رسول

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ:-

جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلاتے جس سے اس نے توبہ کرلی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اُسی گناہ میں مبتلا کرکے دُنیا و آخرت میں رسوا کرے<sup>لہ</sup>۔

۸- اس حکم کی روح یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل اور توہین و تنقیص نہ ہو اس حکم میں استثناء بھی ہے۔ یعنی برے القاب سے پکارنا تو یقیناً مطلق ممنوع ہے لیکن ایسے القاب سے جن میں پیار و محبت اور انسیت و اپنائیت جھلکتی ہو پکارنا جائز ہے۔ مثلاً۔

ا- ایسے القاب جو ظاہری اعتبار سے بدنما ہیں مگر ان سے مذمت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ یہ ان لوگوں کی پہچان کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ مثلاً محدثین نے اسماء الرجال میں سلیمان الاعمش (اندھے سلیمان) اور واصل الاحدب کے القاب کو جائز رکھا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ محدثین نے ان اصحاب کی پہچان کے لئے ان کی عدم موجودگی میں یہ القاب دیتے۔ ان کے پیش نظر ان کی تذلیل مطلق نہ تھی۔

ب- ایک نام کے کئی لوگ موجود ہوں اور ان میں سے کسی خاص شخص کی پہچان کسی خاص لقب سے ہو تو اس لقب کے ساتھ اسے پکارنا جائز ہے مثلاً عبداللہ کئی ایک اشخاص کا نام ہے اور ان میں سے ایک نابینا ہیں تو نابینا عبداللہ کہہ کر پکارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ج- کسی خاص نسبت اور خصوصیت کے ساتھ کسی کو کوئی لقب دینا اور اس سے اس کو پکارنا مثلاً ابوہریرہ (بلی والے)، ابوتراب (مٹی والے)

---

لہ معارف القرآن، جلد ۸، صفحہ ۱۱۷۔

Marfat.com

## گمان کرنا

۹۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ..... بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس حکمِ ربانی میں زیادہ گمان کرنے سے روکا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ نصِ قرآنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گمان دو قسم کے ہوتے ہیں۔

**ا۔ اچھے گمان:** اچھے گمان وہ ہیں جن کو پسندیدہ جانا گیا ہے۔ دینِ اسلام میں انھیں مطلوب و محمود گردانا گیا ہے۔ مثلاً اللہ کے ساتھ اور رسول اللہ اور اہلِ ایمان کے ساتھ اچھا گمان کرنا۔ ذیل میں ارشادات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ (حدیث)

تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہیں آنی چاہیئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔

۲۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور۔ ۱۲)

جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا۔

۳۔ اس کے علاوہ قاضی کی شہادتوں کی روشنی میں غالب گمان پر فیصلہ کرنا یا شہادتوں کی صداقت و سچائی کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ گمان کرنا۔

**ب۔ بُرے گمان:** برے گمان وہ ہیں جن کو قرآن نے گناہ کہا ہے حقیقت میں ایسے ہی گمان سے اللہ پاک نے انسان کو بالعموم اور مسلمان کو بالخصوص روکا ہے۔ ان گمانوں کی مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ ایک آدمی کسی شخص کے بارے میں بلا سبب بدگمانی کرے یا دوسروں سے

---

لہ معارف القرآن۔ جلد ۸، صفحہ ۱۱۹۔

Marfat.com

متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتداء کیا کرے یا ایسے لوگوں کے بارے میں بدگمانی کرے جن کا ظاہر حال بتا رہا ہو کہ وہ نیک اور شریف ہیں،

۲۔ ایک شخص کے کسی قول یا فعل میں بُرائی اور بھلائی کے یکساں احتمالات ہوں اور کوئی محض بدگمانی سے کام لے کر اسے بُرائی پر محمول کرے۔

۳۔ ایک شخص محض اپنے ذاتی عناد کی بناء پر یا ذاتی اختلافات کی وجہ سے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے بدگمانی کرے اور اس پر اس درجہ نگرانی کرے کہ اس کی کوئی معمولی سرگرمی یا کارگزاری کو بہت بڑا بنا کر پیش کرے اور اس کی حیثیت کو نقصان پہنچائے۔

**تجسس کرنا:** ۱۰۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ یعنی لوگوں کے راز نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو۔ دوسروں کے حالات و معاملات کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ یہ حرکت خواہ بدگمانی کی بناء پر کی جائے یا بدنیتی سے کی جائے یا محض اپنا استعجاب (۴۹ آیۃ ۱۲ ح) دور کرنے کے لئے کی جائے ہر حال میں شرعاً ممنوع ہے ایک مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے، ان کی کھوج کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کونسی کمزوریاں چھپی ہوتی ہیں۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سُننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کے ذاتی اور خانگی زندگی یا معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بداخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تجسس کرنے والوں کے بارے میں فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ، فَاِنَّ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ یَتَّبِعِ

Marfat.com

اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحْہُ فِیْ بَیْتِہٖ (ابوداؤد)

اے لوگو زبان سے ایمان لے آتے ہو، مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے۔ مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا، اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا۔ اور اللہ جس کے درپے ہو جاتے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

۱۱۔ تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افرادِ اُمّت ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کے لئے بھی ہے۔ شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کر کے لوگوں کی چھپی ہوتی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیئے جو ظاہر ہو جائیں، رہیں مخفی خرابیاں تو ان کی اصلاح کا راستہ جاسوسی نہیں، اصلاح و فلاح، تعلیم و تربیت اور وعظ و تلقین ہے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے رات گشت کے دوران ایک شخص کی آواز سُنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا، آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے، دیکھا وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی، آپ نے پکار کر کہا۔

اے دشمنِ خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور تو پکڑا نہ جائے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا۔

اس نے جواب دیا۔

امیر المومنین!

جلدی نہ کیجئے، اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں،

Marfat.com

د۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور آپ دیوار چڑھ کر آئے۔

ب۔ اللہ نے تجسّس سے منع کیا ہے اور آپ نے تجسّس کیا ہے۔

ج۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لئے بغیر نہ جاؤ، اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے ہیں۔

یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف انھوں نے کوئی کارروائی نہ کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کا راستہ اختیار کرے گا۔[1]

۱۲۔ تجسّس میں استثنا EXCEPTION موجود ہے۔ یعنی دشمنانِ دین کی حرکات و سکنات MOVEMENTS اور ان کے عزائم و منصوبوں DESIGNS سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔ یہ استثنا۔ اس لئے ہے کہ تجسّس کی ممانعت کا حکم صرف مسلمان کو مسلمان کے معاملات کے بارے میں ہے جب کہ ان دشمنانِ دین کی تیاریوں، منصوبوں، اہلیتوں اور صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ جو دینِ متین کو ختم کرنے اور کلمۃ اللہ کو مٹانے کے لئے کمربستہ ہیں تاکہ ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کرنے کے لئے بہتر منصوبہ بندی کی جاسکے اور بھرپور تیاری کی جاسکے۔

**غیبت**:۔ ۱۳۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)، غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو جاتے تو اس کو ناگوار گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی یہی تعریف فرمائی ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن۔ جلد ۵۔ صفحہ ۸۹۔

Marfat.com

ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَہَتَّہُ (مسلم)

غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو، عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہے تو آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا، اگر اس میں یہ بات پائی جاتی ہو تو، تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ اس میں موجود نہ ہو تو، تُو نے اس پر بہتان لگایا۔

اس ارشادِ نبویؐ سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے پیچھے جھوٹا الزام لگانا بہتان ہے اور اس میں موجود عیوب کو بیان کرنا غیبت ہے۔ یہ فعل خواہ صریح الفاظ میں کیا جاتے یا اس کے مرنے کے بعد دونوں صورتوں میں اس کی حرمت یکساں ہے۔ ابو داؤد کی روایت کے مطابق ماعز بن مالک اسلمی کو جب زنا کے جرم کی سزا دی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ چلتے ایک صاحب کو اپنے دوسرے ساتھی سے یہ کہتے سُنا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اللہ نے اس کا پردہ ڈھانک دیا تھا مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک یہ کُتے کی موت نہ مار دیا گیا، کچھ دور آگے جاکر راستے میں ایک گدھے کی لاش پڑی ہوتی دیکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور ان دونوں اصحاب کو بُلا کر فرمایا، اتریئے اور اس گدھے کی لاش تناول فرمائیے۔ ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے کون کھاتے گا۔ تو آپ نے فرمایا،

فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِیْکُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَکْلٍ مِنْہُ۔

ابھی ابھی آپ لوگ اپنے بھائی کی عزت پر جو حرف زنی کر رہے تھے وہ اس گدھے کی لاش کھانے سے زیادہ بُری تھی۔

۱۴۔ اس حدیثِ پاک میں غیبت کی سنگینی کی واضح طور پر نشان دہی کی گئی ہے

Marfat.com

اور قرآن مجید میں جو ارشادِ ربانی مذکور ہے اس کی عملی تمثیل پیش کر کے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالے نے غیبت کو مرے ہوتے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس فعل کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا تصور دلایا ہے، مردار کا گوشت کھانا بجائے خود نفرت کے قابل ہے، کجا کہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہو اور انسان بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود اپنا بھائی ہو، پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اور زیادہ موثر بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوتے بھائی کا گوشت کھانے کے لئے تیار ہے۔ اگر نہیں ہے اور اس کی فطرت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے جہاں وہ اپنی مدافعت اور صفائی پیش نہیں کر سکتا اور جہاں اس کو خبر تک نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جا رہی ہے۔ اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزاری نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو۔ بلکہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی بُرائی کرنا بجائے خود حرام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کا اس کو علم ہو یا نہ ہو اور اس کو اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ مرے ہوتے آدمی کا گوشت کھانا اس لئے حرام نہیں ہے کہ مردے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مردہ بے چارہ تو اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کوئی اس کی لاش کو بھنبھوڑ رہا ہے۔ مگر یہ فعل بجائے خود ایک نہایت گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اس کو بھی اگر کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بے خبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کن لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظر میں وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گیا اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی اذیت نہ پہنچے گی مگر اس

Marfat.com

کی عزت پر بہر حال حرف آئے گا۔ اس لئے یہ فعل اپنی نوعیت میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے۔

۱۵۔ غیبت ایک ایسی بیماری ہے جس سے نفرت کا ناسور پروان چڑھتا ہے اور پورے محاسن کو متاثر کرتا ہے۔ فوجی زندگی میں یہ بیماری بطور رفیشن پھیلتی جا رہی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ مجاہد جس کا مشن کرۂ ارض میں اعلائے کلمۃ الحق، اقامتِ دین اور غلبۂ اسلام ہے وہ اپنے کردار کی تعمیر اور ایمان کی پختگی کی فکر کرنے کی بجائے اپنے ہی سینئرز کے کردار میں کیڑے نکالنے، عیب چینی کرنے اور انفرادی انسانی کمزوریوں کو اچھالنے کا بے سود مشغلہ اپناتے ہوتے ہے۔ غیبت کی بھرپور محفلیں اور کریبنگ کے تذکروں اور سلسلوں کے انعقاد کا جوازیہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے وہ ذہنی دباؤ کو کم کرتے ہیں اور ایک گونہ سکون حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سینئرز اور جونیئرز میں خلیج حائل ہو جاتی ہے اور معاملہ غلط فہمی سے بڑھتے بڑھتے ناپسندیدگی اور پھر نفرت پر منتج ہوتا ہے۔ اگرچہ غیبت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ موجود نہیں، لیکن غالباً وہ اس امرِ حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ وہ اپنے دل کے ریڈیو اسٹیشن سے جس درجے FREQUENCY کی لہریں بذریعہ زبان جاری TRANSMIT کرے گا۔ وہ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر مغیب[1] کے کانوں تک پہنچیں گی جو انہیں آگے اس کے دل پر منتقل RELAY کریں گے۔ اگر غیبت کرنے والا توہین آمیز کلمات بولے گا تو اس کا یہ بول مغیب تک اسی روح میں پہنچے گا جس کے نتیجے میں اس کے دل میں غیبت کرنے والے کے لئے نامعلوم طور پر نفرت ہی جنم لے گی، اور اس نفرت سے تعلقات میں خوشگواری کی بجائے ناگواری ہی آئے گی۔ اگر یہ کہاوت درست ہے کہ LOVE BEGETS LOVE دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، تو اس

---

[1] جس کی غیبت کی جا رہی ہو۔

Marfat.com

کہاوت یا اصولِ محبت میں جو روح کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک انسان دل سے کسی کو چاہتا ہے، محبت کرتا ہے تو وہ چاہے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے دوسرے کے دل میں اس کے لئے ضرور جذباتِ محبت انگڑائی لیں گے، اسی اصول کے تحت اگر ایک انسان دوسرے انسان کے لئے بجائے محبت کے نفرت رکھتا، بجائے عزت و تکریم کے توہین و تذلیل کے جذبات رکھتا ہے۔ اور ان کو اچھالتا ہے تو دوسرے انسان میں نفرت کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے کیونکہ مذکورہ بالا قاعدہ کے تحت یہ بھی ایک حقیقت بن جاتی ہے "نفرت، نفرت ہی کو پروان چڑھاتی ہے"

۱۶۔ فوج کے نوجوان قائدین کو یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ وہ پاک فوج میں محض ذاتی مفادات کے لئے نہیں آتے بلکہ ملک و ملت کی خدمت اور دین و شریعت کی بالادستی کے عظیم تر مشن کو حاصل کرنے کے لئے پاک فوج میں شامل ہوتے ہیں، ان کا مشن جتنا عظیم ہے وہ ان سے اسی قدر عظیم نصب العین کا تقاضا کرتا ہے، بے مثال قیادت کے لئے ربِ کائنات نے یہ نصب العین وضع کیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲)

کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اس اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

یہ عظیم نصب العین مسلمان قائدین و مجاہدین سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ۔

ا۔ جب تمہاری نماز، تمہاری قربانی، تمہاری زندگی اور تمہاری موت اللہ کے لئے ہے تو پھر تمہیں ہمہ وقت اپنے مشن کی طرف دھیان دینا چاہیئے اور اسی کی طرف پیش قدمی کی فکر دامن گیر رہنا چاہیئے۔

ب۔ جب تمہارا سب کچھ تمہارے رب کا ہے تو پھر سب سے پہلے تمہیں اپنا ذاتی

Marfat.com

محاسبہ کرنا چاہیئے کہ جو منصب اور ذمہ داری تمہیں سونپی گئی ہے اسے تم اچھی طرح نبھا رہے ہو یا نہیں۔

۱۔ اگر تم اچھی طرح نبھا رہے ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہاری روزی کو حلال کرنے کا تمہیں شعور بخشا ہے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کی سعادت بخشی ہے

۲۔ اگر تم محسوس کرتے ہو کہ فرض کی بجا آوری کما حقہٗ نہیں ہو رہی ہے تو پھر اپنے رب سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگو اور توفیق کے طلبگار ہو جاؤ تاکہ تم اس کوتاہی کا تدارک کرنے کے قابل ہو جاؤ۔

ج۔ تم راعی ہو اور رعیت بھی، حاکم ہو محکوم بھی، سینئر ہو اور جونیئر بھی۔ اپنی ان دوہری حیثیتوں کو ملحوظ رکھو۔ بحیثیت سینئر تم اپنے جونیئر سے جس سلوک، رویہ، فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری کی توقع رکھتے ہو۔ اس معیار کی شخصی خوبیاں آپ کو اپنے سینئر کو پیش کرنا ہوں گی۔

د۔ اکمل و مکمل ذات اور جامع صفات تو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باقی کسی مسلمان میں اس کمال اور جامعیت کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس لئے اپنے سینئر میں اس آئیڈیل کی مکمل تمثیل کی توقع نہ کریں۔ اپنے سینئر قائدین کے جن کمزور پہلوؤں سے آپ کو واقفیت ہو ان پر آپ کا رویہ یہ ہونا چاہیئے۔

۱۔ اگر آپ کے سینئر میں کوئی اخلاقی کمزوریاں ہیں تو بجائے انھیں اچھالنے کے ان کی پردہ پوشی کریں اور خاموشی اختیار کریں، تاہم ان کے لئے تنہائیوں میں دُعا کریں کہ اللہ پاک ان کی اصلاح فرمائیں۔

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (مشکوٰۃ)

جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

۲۔ اگر وہ ترش مزاج اور سخت گیر ہوں تو خود اپنی زبان کو غیبت سے غلیظ نہ کریں

Marfat.com

اور نہ ان کے عیب گیر اور ناقد ہو جائیں بلکہ اُن کے لئے یہ دعا کریں۔

اے اللہ! اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح فرما اور اگر میرے سینئر غلطی پہ ہیں تو، تو ان کی اصلاح فرما اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ[1]

اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما کہ تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ھ۔ جب آپ اپنے مشن کی طرف پیش قدمی کرنے لگیں تو بحیثیت سینئر کے آپ کو درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ جونیئرز کے ساتھ مشاورت کریں۔

۲۔ جونیئرز کی غلطیوں سے درگزر کریں۔

۳۔ جونیئرز کی خوبیوں کو اجاگر کریں اور ان پر ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

۴۔ جونیئرز کی ہمیشہ پدرانہ و برادرانہ جذبات سے اصلاح و تربیت کریں۔

۱۷۔ غیبت کرنا مطلق حرام نہیں اس میں بھی استثنا EXCEPTION ہے، فقہاء و محدثین نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ "غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ ایک صحیح غرض کے لئے اس کی ضرورت ہو اور وہ ضرورت اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو" اسی قاعدے پر بناء رکھتے ہوئے علماء نے غیبت کی حسب ذیل صورتیں جائز قرار دی ہیں۔

ا۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت ہر اس شخص کے سامنے جس سے وہ یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ ظلم کو دفع کرنے کے لئے کچھ کر سکتا ہو۔

ب۔ اصلاح کی نیت سے کسی شخص یا گروہ کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے

---

[1] الاعراف : ۸۹

[2] تفہیم القرآن ج ۵، ص ۹۲

جن سے یہ اُمید ہو کہ وہ ان برائیوں کو دُور کرنے کے لئے کچھ کر سکیں گے۔

ج۔ استفتاء کی غرض سے کسی مفتی کے سامنے صورت واقعہ بیان کرنا جس میں کسی شخص کے کسی غلط فعل کا ذکر آجائے۔

د۔ لوگوں کو کسی شخص یا اشخاص کے شر سے خبردار کرنا تاکہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکیں، مثلاً راویوں، گواہوں اور منصفین کی کمزوریاں بیان کرنا بالاتفاق جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

ہ۔ ایسے لوگوں کے خلاف علی الاعلان آواز بلند کرنا اور ان کی برائیوں پر تنقید کرنا جو فسق و فجور پھیلا رہے ہوں۔

۱۸۔ ان احکامات سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باطنی بیماریوں کو اچھی طرح پہچان کر مومن کو ذہنی پراگندگی سے بچانے کے لئے یہ احکامات دیئے ہیں۔ اسلام مسلمان میں ظاہری چمک دمک اور رکھ رکھاؤ کو ترویج نہیں دیتا کیونکہ ظاہریت میں منافقت کی بُو آتی ہے اور ریا کی جھلک نظر آتی ہے بلکہ اسلام دینِ فطرت ہونے کے حوالے سے انسان کی فطرت میں اخلاص کے بیج بونا چاہتا ہے تاکہ اس کے باطن میں وہ نور آئے جو اس کے چہرے میں نکھار پیدا کرے اور اس کے اعضاء سے ایسے اعمال سرزد کرائے جو اس گلزارِ ہستی میں بہار لائیں، انسانی تعلقات میں اُنس و ہمدردی کی کلیاں چٹکیں اور باہمی عزت و اکرام اور رازداری و نیازمندی کے ایسے پھول کھلیں کہ گلستانِ اسلام کے زائرین ان پھولوں کی شیفتگی و شگفتگی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں، ان کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو مہکائیں اور اس گلستان میں ہی بسیرا کرنے کی ٹھان لیں۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس گلستان کا باغبان مومن کے شجرِ حیات سے وہ کانٹے کاٹ دے، وہ بے ہنگم ٹہنیوں کی قطع و برید کر دے جنہوں نے اس شجر کی استوار نشوونما کو متاثر کر رکھا ہے۔

Marfat.com

۱۹۔ تمسخر، طعن، بُرے کام، بدگمانی، تجسّس اور غیبت وہ ناسور ہیں جو افراد سے معاشرہ میں منتقل ہو جاتے ہیں، اور امتِ مسلمہ کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ایسا کھوکھلا کر دیتے ہیں کہ کفار میں ہر کہ دمہ، اور چھوٹا بڑا اس کو ایک ناتواں اور بے جان ڈھانچہ سمجھ کر صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ اگر ایک مسلمان تھوڑا سا غور کرے تو اسے یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ:۔

ا۔ یہ ساری بیماریاں اس کی باطنی توانائیوں اور تعمیری صلاحیتوں کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں۔

ب۔ ان بیماریوں میں مبتلا مریض اپنی ذات اور اپنی مرض میں ایسے گم ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے ماسوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔

ج۔ اس بیمار کی خود غرضانہ و خود پرستانہ شخصیت اسے اپنے ہی بھائیوں سے کاٹ دیتی ہے اور اس کا کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا۔

د۔ یہ بیمار ایسے ماحول میں گھر جاتا ہے جہاں اس کی بصارت و بصیرت بے نور ہو جاتی ہے اور اسے ہر ایک فرد اور ہر ایک چیز تاریک ہی نظر آتی ہے۔

ھ۔ یہ بیمار اپنے اندر ہی سے اٹھنے والی نفرتوں کے نتیجے میں پورے معاشرہ کے اندر نفرت، عداوت، کینہ و بغض اور گھٹیا پن کی علامت بن جاتا ہے۔

۲۰۔ آیئے ذرا ان بیماریوں کا علاج تلاش کریں اور اس پرہیز کی بھی نشان دہی کریں جس کو اپنانے سے یہ بیماریاں ہی پیدا نہ ہونے پائیں۔ ترتیب کے اعتبار سے پہلے پرہیز اور پھر علاج تجویز کیا جائے گا۔

ا۔ ان بیماریوں کا پرہیز یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ آخرت کو یاد رکھے اور اللہ کو جوابدہی کا احساس تازہ رکھے، اس سے اس میں خود احتسابی کا عمل جاری ہو جائے گا۔ اس عمل سے ضمیر کا محاسب چوکس ہو جاتا ہے اور وہ خطرے کا الارم بجا بجا کر انسانی شعور کو بیدار

Marfat.com

کرتا رہتا ہے۔ جس سے انسان میں برائیوں اور بیماریوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا رویہ پروان چڑھتا ہے۔ اس خود احتسابی SELF DISCIPLINE کی مضبوطی اور ترویج میں ذیل کے اعمال معاون ثابت ہوں گے۔

۱۔ نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔

۲۔ نماز کے کلمات کا مفہوم جانیں۔

۳۔ نماز میں حاضری کے وقت اس احساس کو تازہ کریں کہ آپ اپنے پروردگار کے سامنے اظہار بندگی و عبدیت کے لئے پیش ہو رہے ہیں۔

۴۔ قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت کریں۔

۵۔ جب موقعہ ملے تو تھوڑا بہت اس کے ترجمہ اور تشریح کو دیکھنے کا معمول بنائیں۔

ب۔ ان بیماریوں کا علاج معالج حقیقی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تجویز کیا ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (مشکوٰۃ)

تم میں سے کوئی اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

اس حدیث پاک میں ایک سنہری قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے۔ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو۔ اگر تمام مسلمان اس قاعدہ کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنائیں تو یہ معاشرتی ناسور کبھی بڑھنے نہ پاتے بلکہ اس کی جگہ باہمی محبت و الفت، احترام و اکرام اور اخلاص و للہیت رواج پائیں اور مسلمانوں میں باہمی اخوت مستحکم ہو جاتے۔

۱۰۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ؀

ترجمہ: لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

خَلَقَ۔ پیدا کیا۔ خَلَقْنَا۔ ہم نے پیدا کیا۔ خَلَقْنٰکُمْ۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ جَعَلَ۔ بنایا جَعَلْنَا۔ ہم نے بنایا۔ جَعَلْنٰکُمْ۔ ہم نے تمہیں بنایا۔ شُعُوْبًا۔ شعب کی جمع۔ قوم۔ قبائل جمع قبیلہ بمعنی برادری۔ لِتَعَارَفُوْا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اَکْرَمَ۔ سب سے زیادہ عزت والا۔ اَتْقٰکُمْ۔ تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار۔

تشریح: (۱) اس آیت کریمہ میں وحدتِ نسلِ انسانی کا درس ہے۔ اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے نوعِ انسانی کو وحدت اور باہمی یگانگت کا درس دیا ہے۔ قرآن کا اسلوب ملاحظہ ہو کہ ساری دنیا کے انسانیت کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری اصل ایک ہے یعنی تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی نسلِ انسانی کی اصل کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ سورۃ نساء کی پہلی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ڈرو اس رب سے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس نفس سے اس نے اس کی بیوی کو جنم دیا، پھر اس جوڑے سے دنیا میں بے شمار مرد اور عورت پھیلا دیئے۔ اسلام کا وحدتِ نسلِ انسانی کا یہ تصور دنیا میں موجود خود ساختہ باطل تصوراتِ قومیت پر کاری ضرب لگاتا ہے اور دنیا بھر کے انسانوں کو اپنی اصل کے اعتبار سے یکساں اور مساوی گردانتا ہے۔ غیر اسلامی تصورات نے عالمِ انسانیت کو جن امتیازات میں بانٹ دیا ہے اور نسلِ انسانی میں جس تفریق و تمیز کو فروغ دیا ہے وہ انسانی معاشرہ میں فتنہ و فساد ہی کا ذریعہ بنی ہے۔ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی

Marfat.com

بدترین شکلیں اختیار کیں اور انسان نے انسان کے ساتھ ایسا سلوک اور رویہ اپنایا کہ انسانیت شرمندہ ہی نہیں ہوتی بلکہ فنا ہوتی۔ چند تمثیلات ملاحظہ ہوں۔

ا۔ یہودیوں نے بنی اسرائیل کو چیدہ مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبے کو اسرائیلیوں سے فروتر رکھا، اسرائیل کا فلسطینیوں کے بارے میں ظالمانہ رویہ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

ب۔ ہندوؤں کے ہاں ورن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رو سے برہمنوں کی برتری قائم ہو گئی۔ اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ، ناپاک اور پلید ٹھہرائے گئے، شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ برہمن، ویش، کھشتری اور شودر چار ذاتوں میں انسانی معاشرے کے ٹکڑے کر دیئے گئے، پھر شودروں میں اچھوت اور ادیکھ جیسی انتہائی ذلت آمیز تقسیم کر دی گئی۔ یعنی اچھوت سے مراد وہ انسان ہیں جو اگر کسی برہمن کے ساتھ چھو جائے تو برہمن خود کو پلید سمجھتا ہے اور اگر وہ برہمن کی آواز سن لے تو برہمن کی آواز ناپاک ہو جاتی ہے، اس لئے ان کی بستیاں ہی الگ کر دی گئیں اور بجائے برہمن کی طہارت کا انتظام کرنے کے اچھوت کو ایذا دی جاتی ہے یا اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندو معاشرہ میں بدقسمت انسانوں کا ایک اور گروہ ہے جسے ادیکھ کہتے ہیں، یعنی وہ انسان جن کو دیکھنے سے برہمن کی نگاہیں ناپاک ہو جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی ادیکھ کسی برہمن کے سامنے آجاتے تو بجائے برہمن کی آنکھیں پھوڑنے کے اس ادیکھ کو سزا دی جاتی ہے۔

ج۔ بعض نے رنگ کی تمیز پر قومیت کی بنیاد رکھی چنانچہ افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے ان کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، آج اس بیسویں صدی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھ سکتا ہے۔ بالخصوص جنوبی افریقہ کے سفید فام لوگوں کا جابرانہ رویہ سیاہ فام افریقیوں کے لئے کسی ظلم سے کم نہیں ہے۔

Marfat.com

۲۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے تین اہم اصول اور حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔

ا۔ ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے۔ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ دراصل ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں باپ سے شروع ہوئی تھی۔

ب۔ دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بیشمار خاندان بنیں، پھر خاندانوں سے قبائل اور قبائل سے اقوام وجود میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرز بود وباش بھی لامحالہ مختلف ہی ہو جانے تھے مگر اس فطری اختلاف وفرق کا یہ تقاضا ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف وکمین اور برتر وفروتر کے امتیازات قائم کئے جائیں۔

ج۔ تیسرے یہ کہ انسانوں اور افراد کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے یا ہو سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے یعنی اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں، کیونکہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے ان کا مادۂ پیدائش اور طریق پیدائش ایک ہی ہے اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں باپ تک پہنچتا ہے اس لئے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ فضیلت وبرتری کے خود ساختہ معیارات قائم کرے اور دوستی و دشمنی، محبت ونفرت، اخوت وعدل کا مدار ان پر رکھے۔

۳۔ اسلام وحدت نسلِ انسانی کا صرف داعی ہی نہیں ہے بلکہ اس دین متین کے حامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں نے اس تعلیم کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا، قرآنِ مجید کی اس تعلیم کی تشریح میں محسنِ انسانیتؐ نے جو کچھ فرمایا سب سے پہلے ان ارشادات میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

ا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عَیْبَةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَتَکَبُّرَهَا یَا اَیُّهَا النَّاسُ، اَلنَّاسُ رَجُلَانِ، بَرٌّ تَقِیٌّ کَرِیْمٌ عَلَی اللّٰهِ وَ فَاجِرٌ شَقِیٌّ هَیِّنٌ عَلَی اللّٰهِ۔ اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ ۔ (ترمذی)

شکر ہے اس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور اس کا تکبر دور کر دیا لوگو! تمام انسان بس دو ہی حصوں میں ہیں۔

۱۔ ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔

۲۔ دوسرا فاجر اور شقی جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

ب۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ۔ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ عَلَی الْغَائِبِ (بیہقی)

لوگو! خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے کسی عرب کو عجمی اور کسی عجمی کو عرب پر کسی گورے کو کالے اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، کیا میں نے تمہیں بات پہنچا دی۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ پھر آپ نے فرمایا! جو موجود ہے اس پر واجب ہے کہ غیر حاضر تک میرا یہ پیغام پہنچا دے۔

ج۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ (مسلم و ابن ماجہ)

Marfat.com

اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

۴۔ اس ارشاد ربانی اور ان تعلیماتِ نبوی سے ہمیں ایک روشنی میسّر آتی ہے جس سے ہم اپنے معاشرتی اندھیرے کو اجالے سے بدل سکتے ہیں، جیسے ہی وحدتِ نسلِ انسانی اور باہمی اخوت و مودّت اور مساوات و یگانگت کی مشعل اسلامی معاشرہ میں روشن ہوگی تو اس کی روشن کرنیں آس پاس کے انسانی معاشروں کو بھی جگمگا دیں گی، اس مشعل کی روشنی آہستہ آہستہ چہار سو عالم میں آفتاب کی کرنوں کی طرح پھیل جاتے گی اور پورے انسانی معاشرے میں یکسانیت، وحدت، اخوت، محبت اور امن و آشتی کی لہر دوڑ جاتے گی، اس دور کی دکھی انسانیت کے دکھ کا مداوا صرف اسلام کے پاس ہے، پریشان حال و پراگندہ خیال انسان کا سکون نظامِ الٰہی کے قیام میں ہے رنگ و نسل، زبان و وطن کے امتیازات سے عالمِ انسانیت کا جو شیرازہ بکھرا پڑا ہے اس کی شیرازہ بندی اسلام کے تصورِ ملت اور نظریۂ وحدتِ نسلِ انسانی کے عملی اطلاق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ ملتِ اسلامیہ کے فرد کی حیثیت سے یہ معاشرتی انقلاب برپا کرنے کے لئے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

ا۔ ہمیں یہ چاہیئے کہ اسلام کے تصوّر کو دل و جان سے مان لیں اور اس کو فکراً اور عملاً تسلیم کر لیں۔

ب۔ تمام انسانوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور ان کے ساتھ وہی رویہ اپنائیں جو اپنے حقیقی بھائیوں کے ساتھ اپناتے ہیں۔

ج۔ ہر ایک کے ساتھ خلوص، محبت، ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی سلوک روا رکھیں۔

د۔ کسی کو حقیر، ذلیل اور کمتر نہ جانیں۔

ھ۔ کسی کے ساتھ نفرت، عداوت اور تحقیر آمیز سلوک نہ کریں۔

Marfat.com

و۔ مختلف پیشوں کو اپنانے والوں کو کام کی نوعیت کے اعتبار سے فروتر نہ جانیں اور نہ ہی توہین آمیز رویہ اختیار کریں، کیونکہ اگر ہمارے ناروا رویہ سے اللہ نے ان کا دل ان پیشوں سے اچاٹ کر دیا تو یہ ساری خدمات ہمارے سر آ جائیں گی جنھیں وہ انجام دے رہے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (۱۴ - ۱۵)

ترجمہ:۔ یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا، یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔ حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں۔

---

اَعْرَاب ۔ بدو ۔ قُلْ ۔ کہو ۔ لَا یَلِتْکُمْ ۔ کمی نہیں کرے گا۔ لَمْ یَرْتَابُوْا ۔ انہوں نے شک نہ کیا۔

تشریح :۔ ۱۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ...... اس آیت کریمہ میں عرب بدوؤں کے قبول اسلام کی کیفیات کی حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ قبائل عرب نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے مرعوب ہو کر ظاہری طور پر اسلامی قوت کو تسلیم کر لیا تھا، لیکن اسلام اور ایمان ان کے قلوب میں داخل نہیں ہوا تھا جس کا اظہار پروردگار یہاں کر رہے ہیں۔ اللہ جو مالک الملک اور علیم و خبیر ہے

Marfat.com

وہ نفسِ انسانی میں اٹھنے والے وساوس اور ابھرنے والی خواہشات تک سے آگاہ ہے؟ اللہ پاک پر ایمان و اسلام کا صحیح معیار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے یہی وہ منفیاس ہے جو ایمان کی حقیقت کی عکاس ہو سکتی ہے۔

۲۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ اور کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم نے تسلیم کیا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں ایمان کی نفی اور اسلام کا بظاہر اثبات ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ایمان اور اسلام دو الگ چیزیں ہیں۔ ایمان۔ زبانی اقرار اور دل سے اللہ کی ذات کی تصدیق کرتا ہے جب کہ اسلام اپنے آپ کو اس ایمان کے تقاضے کے طور پر مکمل سپردگی۔ یہاں اَسْلَمْنَا کے معنی اسلام کو قبول کرنے کے نہیں بلکہ قوت اور اقتدارِ اسلام کو تسلیم کرنے یا قبول کرنے کے ہیں یعنی اعراب نے جب قوتِ اسلام کے پھیلاؤ اور اثرات کو دیکھا تو وقتی مصلحت کے تحت ظاہری طور پر خود کو ان قبائل نے اس قوت کے سپرد کر دیا اور اس کے مقتدرِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیا چنانچہ اس اقرار و اعتراف کرنے کو ان بدوؤں نے (EXPLOIT) کیا اور رسول اللہ پر اس کا احسان جتانے لگے، متعدد روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ کئی ایک قبائلی گروہوں نے اس رویہ کو اپنایا مثلاً۔ مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع، غفار، بنی اسد وغیرہ۔ اللہ پاک نے ان کے اعلان قبول اسلام کو بھی اطاعت سے تعبیر نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر ان کا اعتراف و اقرار اور تسلیم و رضا حقیقت اور اخلاص پر مبنی ہوتا تو اللہ و رسول کی اطاعت، کو وہ شعار بنانے اور رسول اللہ پر احسان جتلانے کے بجائے خود اللہ و رسول کے احسان مند ہونے اور خدا کا شکر بجالاتے کہ اللہ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نشانِ منزل کی رہنمائی کی ہے۔

۳۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اس آیتِ کریمہ میں ایمان کی حقیقت اور اس کے مضمرات کا واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان کی صداقت کا دار و مدار درج ذیل

Marfat.com

امور پر ہے۔

ا۔ حقیقت میں مومن وہ ہے جو محض زبان سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کرے بلکہ اپنے دل کی انتہاہ گہرائیوں سے بھی کائنات کی بنیادی حقیقتوں کو تسلیم کرے اور اس کے افعال و اعمال اس کے ایمان و ایقان کی تصدیق کریں اور اس ایمان کے تقاضوں کے سچے عکاس ہوں۔

ب۔ اصل ایمان یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور اس کے حقوق و اختیارات کو تسلیم کرنے اور پیغمبر آخر زمان کی رسالت پر یقین کرنے کے بعد اللہ و رسول سے ایسا رشتہ اطاعت و اتباع قائم ہو کہ جور و استبداد، ظلم و تشدد کی تند و تیز آندھیاں مومن کے پائے ثبات میں لغزش نہ لا پائیں۔ اور افکار و نظریات اور دلائل و براہین کی یلغار اس کے یقین کو متزلزل نہ کر سکے اور کسی قسم کے شک کی دراڑیں نہ ڈال سکے۔

ج محض ایمان لانا اور یقین کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی جن بنیادی حقیقتوں کو مومن نے خود تسلیم کیا ہے اور زندگی کے جس نصب العین اور نظام کو اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس دستورِ حیات اور نظامِ زندگی کو پوری انسانیت کو پیش کرنا بھی ضروری ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور فریضہ اقامتِ دین کے لئے مومن پر یہ لازم ہے کہ اپنی جسمانی توانائیوں اور مالی وسائل اور دیگر ساری قوتوں کو لگا دے اور عبادت کے جذبے سے اس میں سرگرمِ عمل رہے۔

۱۲۔ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۶-۱۸)

Marfat.com

ترجمہ:- اسے نبیؐ! ان (مدعیانِ ایمان) سے کہو، کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو، حالانکہ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے، اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا، ان سے کہو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم واقعی اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو، اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔

عَلَّمَ (بتایا)، یُعَلِّمُ (وہ بتاتا ہے یا سکھاتا ہے)، تُعَلِّمُوْنَ (تم سب بتاتے ہو)، تَعْلَمُوْنَ (تم جانتے ہو)، یَعْلَمُ (وہ جانتا ہے)، مَنَّ (احسان رکھا)، یَمُنُّ (وہ احسان رکھتا ہے)، هَدٰکُمْ (اس نے تمہیں دکھائی یا ہدایت دی)

**تشریح** :- ۱- قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِکُمْ ... اس آیت کریمہ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے ایمان کا اشتہار دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے نہ انھیں گلا پھاڑ پھاڑ کر اس اعلان کی ہی ضرورت ہے کہ میں ایمان لے آیا ہوں۔ کیونکہ جس ذاتِ برحق کو انسان حقیقی طور پر اپنا معبود تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے اس تسلیم کرنے کے ساتھ ہی اللہ کے غلاموں کے رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو حیّ و قیوم ہے۔ جو سمیع و علیم ہے، جو نفسِ انسانی میں اٹھنے والی خواہشات، ابھرنے والے جذبات اور پیدا ہونے والے وسوسوں تک کو جانتا ہے۔ اسے تو کسی مسلمان کے قبولِ اسلام کے دعویٰ کے اثبات کے لئے کسی گواہی کی ضرورت ہے نہ کسی اعلان کی، اس لئے ان اعراب کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے اس پُر زور اعلان کی چنداں ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ اللہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ان میں سے ایک ایک چیز کو جانتا ہے اور وہ زمین کی گہرائیوں، آسمان کی وسعتوں اور قلبِ انسان

Marfat.com

میں رونما ہونے والے ہر قسم کے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے۔

۲۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا .... اس مقام پر بعض انسانوں کے چھچھورے پن کی طرف نشان دہی کی جارہی ہے کہ وہ قبولِ اسلام کا احسان ہادیٔ برحق پر رکھتے ہیں، گویا انھوں نے اسلام کو قبول کر کے محسنِ انسانیت کے ذاتی مشن کی تکمیل کی ہے اور ان کی ذات کو نفع پہنچایا ہے ان کا یہ رویہ اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہے کہ وہ ایمان و اسلام کی قدر و قیمت سے آگاہ ہی نہیں ہیں اور ایمان کی حلاوت ان کے حلق سے نیچے اتری ہی نہیں ہے اگر وہ اس سے آشنا ہوتے تو بجائے احسان جتانے کے اللہ اور اس کے رسول کے شکر گزار اور احسان مند ہوتے کہ جو انھیں اندھیرے سے اُجالے، تاریکی سے روشنی میں لاتے، جنھوں نے نفس کی بندگی اور خواہشات و اغراض کی غلامی سے نجات دلائی اور انھیں حق شناس کر دیا۔

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... اگرچہ اللہ کے علم اور اس کی قوت کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن اس آیت پر سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے اور یہاں اللہ نے اپنے علم کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں اور چھپے ہوئے واقعات پر محیط کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو یا کرو گے، ان سب سے تمہارا پروردگار آگاہ ہے۔ اور اپنی اس آگاہی اور واقفیت کو بڑی لطافت سے ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کچھ اس کی نگاہ میں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے علم اور واقفیت کی بنیاد پر تمہارے کرتوت ہر وقت آشکارا نہیں کرتا اور لوگوں پر عیاں نہیں کرتا، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں ابھرنے والے فکری سانچے اور ان سانچوں میں جذبات وخواہشات سے تشکیل پانے والے خاکوں تک اس کی نگاہ کی رسائی ہے اس لئے۔

Marfat.com

ا۔ مسلمان کو یہ چاہیئے کہ وہ خود احتسابی کے ساتھ اس یقین کو بیدار رکھے کہ اس کا مالک بہت باریک بین، باخبر اور علیم و بصیر ہے۔

ب۔ مسلمان کی زندگی اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ کی اتباع دل کی گہرائیوں سے ہونی چاہیئے۔

ج۔ مسلمان کو مسلمان کے ساتھ اپنا رشتہ اس اخوت پر قائم کرنا ہے جہاں محبت و نفرت، دوستی و دشمنی، چاہت و کراہت اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

د۔ مسلمان کی زندگی سے مذاق اڑانے، طعن کرنے، برے نام رکھنے، بدگمانی کرنے، عیب چینی کرنے اور غیبت جیسی برائیوں کو دور ہو جانا چاہیئے۔

ھ۔ مسلمان کو وحدتِ نسلِ انسانی کا داعی بن کر کرۂ ارض پر چھا جانا چاہیئے۔

۵

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (البقرۃ: ۲۰۸)

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

Marfat.com

# سُوْرَۃ الصَّف

**تعارف** :- سورۃ صف ان سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز لفظ "سَبَّحَ" یا "یُسَبِّحُ" سے ہوتا ہے اور اسی لئے انھیں مُسبّحات بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں ستائیسویں پارے کی آخری "سورہ حدید" سے لے کر اٹھائیسویں پارے کے اختتام یعنی سورۂ تحریم تک بلحاظ تعداد مدنی سورتوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ یہ دس سورتوں کا ایک نہایت حسین وجمیل گلدستہ ہے۔ جن میں معنوی طور پر گہرا ربط پایا جاتا ہے، چند مشترک نکات درج ذیل ہیں،

۱۔ یہ سورتیں سب کی سب تقریبًا ایک ہی دور مدنی کے نصف آخر سے تعلق رکھتی ہیں، جب کہ اہل ایمان نے باقاعدہ "اُمت مسلمہ" کی صورت اختیار کر لی تھی، یہی سبب ہے کہ ان میں خطاب براہِ راست امتِ مسلمہ سے کیا گیا ہے۔ کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ، ان میں مخاطب نہیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا ذکر صرف بطور نشانِ عبرت کے ہے۔

۲۔ امتِ مسلمہ سے خطاب میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ طویل مکّی اور مدنی سورتوں میں ان مضامین کے خلاصے بیان ہوتے ہیں،

۳۔ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوتے عتاب اور ملامت کا رنگ نمایاں ہے اور انھیں جوشِ جہاد اور جذبۂ انفاق میں کمی پر گویا سرزنش کی جا رہی ہے۔ جیسے مالکم لا تؤمنون باللہ، ما لکم لا تنفقون فی سبیل اللہ اور لم تقولون مالا تفعلون۔

Marfat.com

اس عتاب کی وجہ یہ تھی کہ جب امت مسلمہ نے وسعت اختیار کی اور یدخلون فی دین اللہ افواجًا کی کیفیت پیدا ہوئی تو فطری طور پر نئے قبولِ اسلام کرنے والوں میں وہ لوگ بکثرت تھے، جن میں پہلے مسلمانوں جیسا جذبہ جہاد و انفاق موجود نہ تھا۔ اور امت کے مجموعی مجاہدانہ کردار میں کمی پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا حکمت الٰہی کے تحت اس حالت پر بھرپور گرفت فرمائی گئی تاکہ جب بھی امت میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہونے لگے۔ تو یہ آیات امت کو سنبھالا دے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود کو بطور نمونہ عبرت کے بار بار پیش کیا گیا ہے کہ وہ سابقہ امتِ مسلمہ تھی اور مسلمانوں کو فرمانِ نبوی:

قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا فِيْ جُحْرِ ضَبٍّ لَاتَّبَعْتُمُوْهُ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ؟ (بخاری بحوالہ ترجمان السنۃ ج۱ ص۳)

۴۔ قرآن مجید کے عام اسلوب کے مطابق یہ سورتیں مضامین کے اعتبار سے جوڑوں میں وارد ہیں۔ ایمان اور اس کے ثمرات کے لئے سورۃ تغابن اور نفاق اور اس کی حقیقت کے لئے سورۃ المنافقون ہے۔ اسی طرح عائلی زندگی میں عدم موافقت کی انتہا کو واضح کرنے کے لئے سورۃ طلاق اور حد اعتدال سے متجاوز محبت پر بریک لگانے کے لئے سورۃ تحریم۔ اسی طرح ایک طرف سورہ زیر مطالعہ یعنی سورۃ صف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت یعنی:۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ [1]

کا بیان ہے اور دوسری طرف سورۃ جمعہ میں اس مقصد کے لئے اساسی منہاج عمل۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [2]

---

[1] الصف : ۹
[2] الجمعۃ : ۲

Marfat.com

کا بیان ہے۔

سورۃ صف ..... "المسبحات" کی صف میں عین قلب میں واقع ہے چونکہ دو مسبحات الحدید اور الحشر اس سے پہلے اور دو الجمعہ اور التغابن اس کے بعد واقع ہیں۔ نفسِ مضمون کے اعتبار سے بھی یہ سورۃ اس گروپ میں مرکز اور محور کی حیثیت رکھتی ہے۔

سورۃ صف کا مرکزی مضمون یا محور اس کی آیت نمبر ۹

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔

ہے۔ یعنی دینِ حق (اسلام) کو تمام ادیان پر غالب و نافذ کرنا جس سے دین کے فلسفہ وحکمت کے تین اہم مضامین واضح ہوتے ہیں۔

اوّلاً :- اس سے "جہاد فی سبیل اللہ" کے مقصد حقیقی کا تعین ہوتا ہے۔ یعنی غلبۂ دین۔ جب کہ جہاد فی سبیل اللہ کا اساسی مقصد شہادت علی الناس ہے جسے دوسرے مقامات پر واضح کیا گیا ہے جیسے سورۃ بقرہ اور سورۃ حج کا آخری رکوع۔

ثانیاً :- اس سے مطالب دین (دین کے تقاضوں) کے ضمن میں درجۂ کمال کا تعین ہوتا ہے۔ چونکہ "عبادتِ رب" کا حق بھی اس وقت تک حقیقی طور پر ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کا دین پورے نظامِ زندگی پر نافذ و غالب نہ ہو جاتے۔

ثالثاً :- اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی امتیازی شان بھی واضح ہوتی ہے جو کہ مختصراً یہ ہے۔

۱۔ آنحضور دو چیزوں کے ساتھ مبعوث ہوتے ایک الھدیٰ (قرآن مجید) اور دوسرے دینِ حق یعنی اطاعتِ خداوندی پر مبنی انسانی زندگی کا مکمل اور متوازن ضابطۂ حیات اور نظامِ عدل و قسط۔

Marfat.com

۲۔ آپ کے مقصدِ بعثت میں جہاں انذار و تبشیر، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفوس شامل ہے۔ وہیں شہادت حق اور اقامت دین کا تکمیلی مرحلہ بھی شامل ہے، غلبہ دینِ حق کے لئے امکان بھر سعی وجہد اور جان و مال کا ایثار ایمان کا تقاضا ہے اسی چیز کو اصطلاحاً "جہاد فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔

اس طرح مرکزی مضمون یا عمود کے تعین کے بعد سورہ کے مضامین بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں، سورۃ صف اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت مربوط ہے تمام آیات مثل موتیوں کے ہیں، جو ایک ڈوری میں پروتے ہوتے ہیں۔ گویا یہ ایک ایسے ہار کی مانند ہے جس کے عین وسط میں آیت نمبر ۹ تابناک ہیرے کے مانند ہے اور دونوں اطراف امت کو جہاد و قتال کی موثر اور پر زور دعوت ہے۔

**نام** :۔ چوتھی آیت کے فقرے یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا سے ماخوذ ہے یعنی وہ سورہ جس میں لفظ صف وارد ہوا ہے۔

**زمانہ نزول** :۔ کسی معتبر روایت سے زمانہ معلوم نہیں ہوسکا، البتہ مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدنی دور کے نصف آخر میں نازل ہوتی ہے۔

**موضوع اور مضمون** :۔ اس کا موضوع مسلمانوں کو اخلاص اختیار کرنے اور اللہ کی راہ میں جان و مال لڑانے کی تاکید ہے۔ اس کے ساتھ ضعیف الایمان مسلمانوں اور جھوٹے مدعیانِ اسلام کو بھی خطاب کیا گیا ہے، سورہ میں تمہید کے بعد پہلے رکوع میں جہاد و قتال سے جی چرانے پر زجر و ملامت اور دوسرے رکوع میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کا بیان ہے۔ یہ سورہ دو رکوعات اور چودہ آیات پر مشتمل ہے اور مدینہ طیبہ میں نازل ہوتی ہے۔

**پہلا رکوع** :۔ اس کے دو حصے ہیں۔

**حصہ اول** :۔ پہلا حصہ چار آیات (۱-۴) پر مشتمل ہے۔ آیت نمبر ۱ میں تمہیداً

Marfat.com

پرشکوہ انداز سے بتایا گیا ہے کہ جہاں تک اللہ کی تسبیح و تحمید کا تعلق ہے وہ تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ کر رہا ہے۔ خالقِ کائنات کو انسان سے کچھ اور ہی مطلوب ہے۔ گویا۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

آیت نمبر ۲، ۳ میں عافیت پسند مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ خدا اور رسول کی زبانی محبت کے دعوے اور میدانِ جہاد و قتال سے بے رُخی خدا کی بے زاری اور غیظ و غضب کا باعث ہے۔ آیت نمبر ۴ میں فرمایا اگر ہم سے محبت کا دعوٰی ہے تو ہمارے محبوب بندے وہی ہیں جو خدا کے راستے میں سیسہ پلائی دیوار بن کر قتال کرتے ہیں گویا

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

**حصہ دوم**:۔ یہ حصہ ۵ آیات پر مشتمل ہے، چار آیات میں یہود کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۹ (پانچویں آیت)، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کو پیش کیا گیا ہے۔

**رکوع دوم**:۔ دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں سوالیہ انداز میں فرمایا۔
کیا وہ کاروبار بتاؤں، جس کا نفع اتنا عظیم ہے کہ تم عذابِ الیم سے چھٹکارا پا جاؤ۔
دوسری آیت ۱۱ میں جواب مرحمت فرمایا کہ۔
ایمان لاؤ اللہ پر اور رسول پر اور جہاد کرو اس کی راہ میں جان و مال کے ساتھ۔
بقیہ چار آیات میں اسی "خیر" کی تفصیل ہے۔
پھر آیت نمبر ۱۲ میں۔
مغفرت، داخلہ جنت اور فردوس بریں کے پاکیزہ مسکنوں کا ذکر ہے اور اسی

Marfat.com

کو اصل کامیابی بتایا گیا۔
آیت نمبر ۱۳ میں،
دنیا میں فتح و نصرت یعنی "نصر من اللہ و فتح قریب" کا مژدہ ہے۔
آیت نمبر ۱۴ میں،
جہاد و قتال فی سبیل اللہ کرنے والے اہل ایمان کو "انصار اللہ" قرار دیا گیا ہے۔
گویا بندے ہوتے ہوتے دین الٰہی کی نصرت کے نتیجے میں اس مقامِ رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے نمایاں مثال حوارین مسیح کی دی گئی ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح کے رفع آسمانی کے بعد دعوت و تبلیغ کے لئے بے مثال کوششیں کی تھیں۔

# سورۃ الصّف

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (۱-۴)

---

ترجمہ:- اللہ کی تسبیح بیان کی ہے، ہر اس چیز نے جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہ غالب اور حکیم ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو تم کیوں وہ بات کرتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

---

سَبَّحَ۔ تسبیح بیان کی، پاکی بیان کی۔ كَبُرَ۔ بڑی۔ مَقْتًا۔ بیزاری۔ صَفًّا۔ قطار باندھ کر

Marfat.com

بُنْیَانٌ۔ دیوار۔ مَرْصُوْصٌ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

تشریح:۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدا کی حمد و ثنا۔ اور تسبیح بیان کر رہا ہے کہ وہ ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ یہاں ماضی کا صیغہ (سبح) استعمال ہوا۔ دوسری جگہ مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ استعمال ہوا۔ جس میں حال اور مستقبل دونوں شامل ہے۔ گویا خدا کی تسبیح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہوتی رہے گی، ساتھ ہی دو صفات "العزیز" اور "الحکیم" وارد ہوتی ہیں۔ یعنی وہ ایسا زبردست قادرِ مطلق ہے کہ اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن اس کے فیصلے عین حکمت و دانائی پر مبنی ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں بالعموم "عزیز" اور "حکیم" دونوں صفات ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ گویا اسے اقتدارِ مطلق حاصل ہے، لیکن اس غیر محدود اقتدار کے ساتھ وہی ایک ہستی ہے جو بے عیب ہے اور حکیم ہے۔

کلام کا آغاز اس تمہید کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ آگے جو کچھ بیان ہونے والا ہے۔ اس کو سننے اور پڑھنے سے پہلے انسان یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ اللہ تعالےٰ کی خدائی اور اقتدار کسی کے ایمان اور مدد و نصرت پر موقوف نہیں۔ وہ اگر اہل ایمان کو اخلاص کے ساتھ ایمان پر گامزن ہونے اور مال و جان کی قربانیوں کی تاکید کرتا ہے، تو یہ سب کچھ ان کے اپنے فائدے کے لئے ہے۔ ورگرنہ اس کے ارادے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ چاہے کوئی بندہ اس کے لئے سعی کرے یا نہ کرے بلکہ ساری دنیا مزاحمت بھی کرے تو اس کی مشیت کو کوئی نہیں روک سکتا۔

آیات ۲، ۳ میں مسلمانوں کو قول و فعل کے تضاد سے روکا گیا ہے۔ چونکہ یہ خدا کے غضب کو بھڑکانے والا طرز عمل ہے۔ ایک سچے مومن کے قول و عمل میں مطابقت ہونی چاہیئے۔ چونکہ قول و فعل کا تضاد نفاق کی علامت ہے اور نفاق کی علامات حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

Marfat.com

ایۃ المنافق ثلاث (زاد مسلم و ان صام وصلّٰی وزعم انہ مسلم، اذا حدث کذب و اذا وعد خلف و اذا اتمن خان (بخاری، مسلم)

منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب کوئی امانت سپرد کی جاتے تو خیانت کرے۔

مفسرین نے ان آیات کی شانِ نزول میں ان کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے جن پر یہاں گرفت کی گئی ہے، ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاد فرض ہونے سے پہلے مسلمانوں میں کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے، کاش وہ عمل معلوم ہو جاتے جو اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر جب بتایا گیا کہ وہ عمل جہاد ہے تو ان پر اس بات کو پورا کرنا بہت شاق ہو گیا، ایسے ہی لوگوں کی یہاں مذمت کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۴ میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی صرف انہی اہل ایمان کو حاصل ہوتی ہے، جو جہاد فی سبیل اللہ کے خطرات سہنے کے لیے ہر دم آمادہ و مستعد رہتے ہیں، دوسری بات یہ سامنے آئی کہ خدا کو جو فوج پسند ہے اس میں تین صفات ضروری ہیں۔

۱۔ وہ خوب سوچ سمجھ کر ایمانی کیفیت کے ساتھ خدا کی راہ میں لڑے اور کسی ایسے مقصد کے لیے نہ لڑے جو جہاد فی سبیل اللہ کے تقاضے کے خلاف ہو۔

۲۔ وہ مضبوط ڈسپلن کے ساتھ صف بستہ ہو کر لڑے یعنی ہر قسم کے انتشار اور حکم عدولی سے پاک ہو، مضبوط اور منظم فوج ہو۔

۳۔ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی کیفیت سیسہ پلائی ہوتی دیوار کی طرح ہو۔

لیکن یہ صفات اسی فوج میں پائی جاتی ہیں، جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہو۔

۱۔ عقیدے اور مقصد میں کامل ہم آہنگی جو اس کے افسروں اور سپاہیوں کو

Marfat.com

آپس میں یک جان کر دے۔

ایک دوسرے پر بے پناہ اعتماد، جو اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ سب کے سب اپنے مقصد میں مخلص اور بے لوث نہ ہوں، ورنہ جنگ کی بھٹی دلوں کے کھوٹ کو نمایاں کر کے رہتی ہے۔ اور اگر باہمی اعتماد ختم ہو جاتے تو بھروسے کے بجائے شک در آتا ہے۔

بلند اخلاقی معیار جس کے بغیر نہ آپس میں اعتماد اور محبت باقی رہتی ہے اور نہ عزت و احترام بلکہ ہر وقت باہم تصادم کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

اپنے مقصد کا ایسا عشق اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسا پختہ عزم و ارادہ جو فوج میں سرفروشی اور جانبازی کا ناقابل تسخیر جذبہ پیدا کر دے اور وہ میدانِ جنگ میں واقعی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم جاتے۔

درحقیقت یہی وہ عسکری خوبیاں تھیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے مسلمانوں میں پیدا کی تھیں جس کی وجہ سے وہ ایک ایسی عسکری تنظیم میں ڈھل گئے تھے۔ جس سے ٹکرا کر قیصر و کسریٰ کی قوت پاش پاش ہو گئی اور صدیوں تک کوئی طاقت اس عسکری قوت کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

Marfat.com

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ ط وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔

ترجمہ:۔ اور یاد کرو موسیٰ کی وہ بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ اے میری قوم کے لوگو!

تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں؟ پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریمؑ کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ:۔

اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی ہے۔ اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔ اب بھلا اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا، جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ تو اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا۔ چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے جنس دین پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

---

تُؤْذُوْنَنِیْ۔ تم اذیت دیتے ہو۔ (ایذا سے) زَاغُوْا (لازم) (زاغ یزیغ) وہ ٹیڑھے ہو گئے۔ اَزَاغَ (متعدی) اس نے ٹیڑھا کر دیا۔ مُصَدِّقًا۔ سچا ماننے والا۔ مُبَشِّرًا۔ خوشخبری دینے والا

Marfat.com

بَیْنَ یَدَیَّ۔ سامنے والا۔ اَحْمَدُ۔ سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ لِیُطْفِئُوْا تاکہ وہ بجھا دیں۔

تشریح:۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو خدا کا رسول اور محسن ماننے کے باوجود کس کس طرح تنگ کیا، اور کیسی کیسی بے وفائیاں کیں۔ خود بائبل میں اس کی تفصیل موجود ہے یہاں ان واقعات کی طرف اشارہ کرکے مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے نبی کے ساتھ بنی اسرائیل والی روش نہ اپنائیں ورنہ وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوکر رہیں گے جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔ امت مسلمہ کے موجودہ حالات رسول اکرمؐ کی تعلیمات کے ساتھ یہود والی روش اختیار کرنے کا قدرتی نتیجہ ہیں۔ اور ان حالات کی پیشین گوئیاں خود رسول اکرمؐ نے احادیث میں کر رکھی ہیں۔ تفصیل حدیث کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہاں اللہ تعالےٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو لوگ ٹیڑھی راہ پر چلنا چاہیں۔ اللہ تعالےٰ زبردستی انھیں سیدھی راہ پر چلاتے اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص یا قوم کی گمراہی کا آغاز خدا کی طرف سے نہیں بلکہ اس شخص یا قوم کی طرف سے ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہی پسند کرے اس کے لئے گمراہی کے اسباب ہی فراہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ قول و عمل کی کجی کا پوری طرح اظہار کر سکے یہ بات خدا کی طرف سے ارادہ اور عمل کی محدود آزادی FREEDOM OF CHO کا تقاضا بھی ہے، اگر خدا جبراً ہدایت پر مجبور کرتا تو کوئی کفر کی جرأت نہ کرتا۔ لیکن یہ خدا کی طرف سے محدود آزادی کے خلاف ہوتا اور اس پر جزا اور سزا بے معنی ہوتی۔ پس اس نے ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے کھول دیتے ہیں۔

---

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی نام احمد ہے۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل کی بے وفائیاں جاری رہیں حتیٰ کہ انھوں نے خود اللہ تعالیٰ سے قوم سے جدائی کی دعا مانگی۔ اب یہاں حضرت عیسیٰؑ جو ان میں سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی تھے[1]، کے ضمن میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر ہو رہا ہے، حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جو ظالمانہ اور شرمناک طرزِ عمل اس قوم نے اختیار کیا، اس کے نتیجے میں بالآخر یہ قوم خدائی لعنت اور پھٹکار سے دوچار ہوئی۔ مذکورہ دونوں انبیاء کے ساتھ ان کی قوم کے طرزِ عمل کا ذکر کرنے سے مقصود امت مسلمہ کو بروقت متنبہ کرنا ہے تاکہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی روش ہرگز اختیار نہ کریں۔

حضرت عیسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کو ماننے کی دعوت دی تو دو چیزوں کا بطورِ خاص ذکر کیا، ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں، اور نہ انوکھی باتیں لے کر آتے ہیں، بلکہ یہ وہی تعلیمات ہیں جو پچھلے انبیاء لے کر آتے تھے، اور گزشتہ کتب میں مذکور ہیں اور آئندہ جو نبی آنے والا ہے وہ بھی انہی تعلیمات کو اجاگر کرے گا۔

یہاں تورات کا بطورِ خاص ذکر اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی قریبی کتاب وہی تھی، ورنہ تصدیق سارے انبیاء اور گزشتہ کتب کو شامل ہے حضرت عیسیٰؑ نئی شریعت لے کر نہیں آتے تھے بلکہ شریعت موسوی کو ہی قائم کرنے آتے تھے جو تورات کی صورت میں معطل پڑی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنے والے رسول کی خوشخبری سنائی جن کا آسمانی نام "احمد" ہے۔ حضرت عیسیٰؑ دراصل آنحضورؐ کی نبوت کے لئے راہ ہموار کرنے آتے تھے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے لئے آتے تھے۔ اور ان کا دوبارہ نزول بھی اسی مقصد

---

[1] عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی تھے۔

Marfat.com

کے لئے ہوگا۔ تاکہ یہود و نصاریٰ دونوں پر آنحضورؐ کے حق کی حجت قائم کردیں۔ موجودہ تورات اور انجیل میں اب بھی (باوجود تحریف کے) آپؐ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اور "انجیل برنباس" تو آپؐ کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔

ان آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی واضح شہادت اور تورات، انجیل کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلی کھلی پیشین گوئیوں کے باوجود آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد یہود کے عناد، تجبر اور انکار کا ذکر ہے۔ اس ظالم قوم نے آنحضرتؐ کو جھوٹا مدعی قرار دے کر آپؐ پر نازل ہونے والے کلام کو "افترا" یعنی گھڑا ہوا کلام قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ اول تو سچے نبی کو جھٹلانا بجائے خود کم ظلم نہیں ہے۔ مزید یہ کہ داعی الی اللہ" کو برا بھلا کہنا اور اس کی مخالفت میں اوچھے ہتھکنڈے اور ظالمانہ کارروائیاں کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ جنگِ اُحد سے فتح خیبر تک یہود نے مسلمانوں کے خلاف جو جو بھیانک سازشیں اور کارروائیاں کی ہیں۔ ان سب کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کی کوششوں کو نور خداوندی کو مٹانے کی کوشش قرار دیا ہے۔ جب خدا تعالےٰ نے بھی اپنے فیصلے کا اعلان فرما دیا کہ اس کا دین پھیل کر رہے گا اور سارے شیطانی ایجنٹ بالآخر ناکام و نامراد رہیں گے۔ گویا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آیت نمبر ۹۔ "الدین" کا مفہوم نظامِ زندگی یا طریق زندگی ہے۔ جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مطاع تسلیم کیا جائے۔ پس یہاں مقصد بعثت نبوی یہ بتایا گیا ہے کہ جس ہدایت (قرآن)، اور دین حق (اسلام)، کو وہ لایا ہے اسے تمام دیگر ادیان اور نظامہائے حیات پر غالب کر دے۔ گویا خدا کا دین دوئی پسند نہیں ہے کہ کسی دوسرے نظام حیات کو اپنے دائرہ اثر میں لینا چاہتا ہے۔ اسی حقیقت کو ایک دوسرے

Marfat.com

اسلوب میں "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" یعنی پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، سے ادا کیا گیا ہے پس اگر کسی اور مذہب و ملت کے لئے گنجائش بھی ہے تو یہ کہ خدائی نظام (اسلام) کے زیر سایہ سمٹ کر رہے اور اس کے ماننے والے ذمّی کی حیثیت قبول کریں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ۝ (۱۰-۱۴)

ترجمہ:- اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے؛ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور جانوں سے، یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تجھے عطا کرے گا، یہ ہے بڑی کامیابی اور وہ دوسری چیز جسے تم چاہتے ہو (وہ بھی دے گا)، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی! اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

Marfat.com

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسٰی بن مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا۔

"کون ہے اللہ کی طرف (بلانے) میں میرا مددگار؟"

اور حواریوں نے جواب دیا تھا۔

"ہم ہیں اللہ کے مددگار"۔

اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔

---

ھل۔ کیا۔ اَدُلُّکُمْ۔ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ (راہنمائی کروں)۔ تُنْجِیْکُمْ۔ تم کو نجات دے۔ تُجَاھِدُوْنَ۔ تم جہاد کرو۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ ابدی باغات۔ تُحِبُّوْنَھَا۔ جسے تم پسند کرتے ہو۔ اُخْرٰی۔ دوسری چیز۔ کُوْنُوْٓا۔ ہو جاؤ۔ بن جاؤ۔ اَنْصَارُ اللہ۔ اللہ کے مددگار طائفۃ۔ گروہ۔ اَیَّدْنَا۔ ہم نے تائید کی۔ عدو۔ دشمن۔ اصبحوا۔ وہ ہو گئے ظَاھِرِیْنَ۔ غالب۔

**تشریح**:۔ آیت نمبر ۱۰ا ۱۱۔ تجارت وہ چیز ہے جس میں آدمی اپنا مال، وقت، محنت اور ذہانت و قابلیت نفع کی امید پر کھپاتا ہے۔ اسی رعایت سے یہاں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو تجارت کہا گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح دنیوی تجارت سے نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کے بدلے میں خدا کی رضا اور آخرت کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی۔

پھر فرمایا کہ اگر تمہیں ادراک ہو جاتے تو آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اس لئے کہ وہ ابدی ہوں گی۔ یہ عارضی ہیں۔ وہ اعلیٰ ہوں گی، یہ ادنیٰ ہیں۔ وہاں ہمیشہ رہنا ہو گا، یہاں سے ایک دن بہرحال رخصت ہونا ہے۔ چونکہ

Marfat.com

اصل نعمتیں آخرت کی ہیں۔ ان کا ذکر مقدم کیا ہے۔

آیت نمبر ۱۲/۱۳:۔ یہاں بشارت دی گئی ہے، دُنیا میں فتح و نصرت کی۔ یعنی اگرچہ خدا کے نزدیک دنیوی کامیابی مطلوب نہیں، اصل مطلوب آخرت کی کامیابی ہے۔ لیکن چونکہ تمہیں دنیا کی کامیابی زیادہ مرغوب محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بھی عنقریب فتح و نصرت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ اور خدا کا یہ فرمان عرب و عجم کی عظیم فتوحات کی صورت میں پورا ہوا۔ گویا

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

آیت نمبر ۱۴/۱۳:۔ حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں کے لئے بائبل میں لفظ "شاگرد" استعمال کیا گیا ہے۔ بعد میں ان کے لئے "رسول" یعنی فرستادہ یا پیامبر POSTLE کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے "حواری" کا لفظ استعمال کیا جس کے معنی خالص اور بے غرض دوست کے ہیں۔ یہ اصطلاح مندرجہ بالا دونوں اصطلاحات سے بہتر ہے۔

یہاں قرآنِ مجید نے ان لوگوں کو خدا کا مددگار کہا ہے جو مخلوقِ خدا کو دین کی دعوت دیتے اور کفر کے مقابلے میں حق کے غلبے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ کو مدد کی ضرورت ان معنوں میں نہیں کہ وہ کمزور ہے بلکہ یہ طریق کار اس نے انسانوں کی آزمائش کے لئے اختیار فرمایا ہے ورنہ اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ اپنی قوتِ قاہرہ سے براہِ راست مداخلت کرکے یا فرشتوں کے لشکر بھیج کر انسان کو مغلوب کر دے اور اپنے دین کو غلبہ عطا فرما دے۔ لیکن اس صورت میں اہلِ ایمان کا کیا کمال ہوگا اور وہ اخروی انعامات کے مستحق کس بنیاد پر قرار پائیں گے۔ اس لئے

Marfat.com

اس نے اپنی حکمت سے یہ طریق اختیار فرمایا کہ انسانوں میں اپنے رسولوں کو بھیجا جو لوگوں کو راستی اور حق کی دعوت دیں پھر جو لوگ ایمان لائیں وہ ایک امت بن گئے اور کفر پر اڑنے والے دوسری ملت بن گئے۔ اب ان میں کشمکش جاری ہو گئی۔ اہل حق خدا کے نظام بندگی کے قیام کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور اہل کفر شیطانی نظام اور نظامِ باطل کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ پھر اگر اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ تو حق کو دنیا میں غلبہ نصیب ہوتا ہے یا مشیت کے تحت بظاہر وہ ناکام رہتے ہیں لیکن آخرت کے اعتبار سے اہل حق ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

پس اللہ تعالےٰ کسی کام کے لئے بھی اپنی مخلوق کا محتاج نہیں اور یہاں مراد یہ ہے کہ زندگی کے جس دائرے میں اللہ تعالےٰ نے خود انسان کو کفر و ایمان اور طاعت و معصیت کی آزادی بخشی ہے۔ اس دائرے میں وہ اپنی قوت قاہرہ سے کام لے کر مطیع و فرماں بردار نہیں بناتا۔ بلکہ اپنے انبیاء اور کتب بھیج کر ان کو راہِ راست دکھانے کے لئے تذکیر و تعلیم اور تفہیم و تلقین کا طریقہ اختیار فرماتا ہے۔

اس تعلیم و تذکیر کو جو شخص برضا و رغبت قبول کر لے وہ مومن ہے۔ جو عملاً مطیع و فرماں بردار بن جائے، وہ مسلم، قانت اور عابد ہے جو خدا ترسی کا رویہ اختیار کر لے وہ متقی ہے۔

جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے لگے وہ محسن ہے اور اس سے آگے بڑھ کر جو اسی تذکیر و تعلیم کے ذریعے سے بندگان خدا کی اصلاح کے لئے کفر و فسق کی جگہ اللہ کی اطاعت کا نظام قائم کرنے کے لئے کام کرنے لگے۔ اسے اللہ تعالےٰ اپنا مددگار قرار دیتا ہے۔

Marfat.com

مسیح پر ایمان نہ لانے والوں سے مراد یہودی اور ایمان لانے والوں سے مراد عیسائی اور مسلمان دونوں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسیح کے انکار کرنے والوں پر غلبہ عطا فرمایا۔ یہاں اس حقیقت کو بیان کرنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ جس طرح ماضی میں مسیحی اپنے دشمنوں (یہود) پر غالب ہوتے تھے، تمہیں بھی ان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اور تاریخ نے یہ بات ثابت کر دی ہے اور قربِ قیامت میں حتمی غلبہ بھی حاصل ہوگا۔

ؔ

Marfat.com

# سُورَۃُ التَّغَابُنْ

**نام:۔** اس سورہ کی آیت نمبر ۹ میں التغابن کا لفظ آیا ہے جسے سورۃ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط

جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا وہ دن ہو گا ایک دوسرے کے مقابلہ میں لوگوں کی ہار جیت کا۔

**مباحث:۔** اس سورہ کے دو رکوع اور ۱۸ آیات ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اسی لئے اس میں مکی دور کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس سورہ میں اہم مباحث پر کلام کیا گیا ہے اس کی پہلی چار آیتوں کا خطاب تمام انسانوں سے ہے پھر آیت ۵ تا ۱۰ تک ان لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے جو قرآن کی دعوت کو نہیں مانتے۔ پھر آیت ۱۱ تا ۱۸ تک ان انسانوں کی طرف روئے سخن ہے جو قرآن کی دعوت کو مانتے ہیں۔ اس سورہ کے اہم مباحث یہ ہیں۔

۱۔ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے یہ باور کرایا گیا ہے کہ:

۱۔ یہ کائنات بے خدا نہیں بلکہ اس کا خالق، مالک اور فرمانروا ہے۔

۲۔ یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں ہے۔

۳۔ اس کائنات میں تمہاری تخلیق کے بعد تمہیں مجبور محض نہیں کر دیا گیا ہے بلکہ تمہیں اختیار کی صلاحیت سے نوازا گیا ہے۔

۴۔ یہ کہ تم غیر جانب دار، غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ نہیں ہو۔

Marfat.com

۵۔ ایک دن تمہیں خالق کے پاس جانا ہے۔ اور ایک ایک حرکت کے بارے میں وہ تم سے باز پرس کرے گا۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے قوموں کی تباہی کے دو بنیادی اسباب اس سورہ میں بتاتے ہیں۔

۱۔ جن قوموں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایت قبول کرنے کی بجائے اپنے خود ساختہ فلسفوں کی پیروی کی، وہ ایک گمراہی سے دوسری گمراہی میں بھٹکتی چلی گئیں۔

۲۔ جن قوموں نے آخرت کے عقیدے کو جھٹلایا اور دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، اس سے ان کے پورے رویۂ زندگی میں بگاڑ آگیا۔ ان کے اخلاق و کردار میں ایسی گندگی آئی کہ اللہ کے عذاب نے انھیں آلیا، انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور دنیا کو اُن کے وجود سے پاک کر دیا۔

ج۔ قوموں کی ہلاکت و تباہی کے ان دونوں اسباب کا ذکر کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ خود کو رسوائی اور اللہ کی گرفت سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں اور قیامت کے دن سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں۔

۱۔ نورِ ہدایت قرآنِ مجید پر ایمان لانا ہوگا اور اس نور کی کرنیں جس منزل کے لئے نشانِ راہ دکھائیں، اسی پر چلنا ہوگا۔

۲۔ قیامت کے دن پر یقین کرنا ہوگا۔ جب سب ایک جگہ جمع کئے جائیں گے اور جب ہر ایک کا غبن سب کے سامنے ظاہر ہو جاتے گا۔

د۔ افراد و اقوام کی کامیابی اور سرخروئی کی دو اساسی تعلیمات کے بعد چند ایک اہم ہدایات دی گئی ہیں، جو مسلمان کی کامیاب زندگی کی ضامن ہیں۔

۱۔ دنیا میں انسان کی جو آزمائش بھی آتی ہے اللہ کے اذن سے آتی ہے اس

Marfat.com

لئے کڑے وقت اور مشکل حالات میں اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیئے۔ صبر و استقامت کا رویہ اپنانا چاہیئے اور نماز و ذکر سے اللہ کی استعانت اور مدد طلب کرنا چاہیئے۔

۲۔ ایمان و استقامت کے ساتھ ساتھ اطاعتِ الٰہی اور اتباع رسول کو اختیار کرنا چاہیئے۔

۳۔ مومن کا اعتماد اپنی طاقت، اہلیت اور صلاحیت پر نہیں بلکہ صرف اللہ پہ ہونا چاہیئے اور بھروسہ اپنی بھرپور تیاری پر نہیں اللہ کی مدد پر ہونا چاہیئے۔

۴۔ مومن کا مال اور اس کے اہل و عیال بہت بڑی آزمائش ہیں۔

۵۔ انسان اپنی استطاعت کے مطابق احکام کی تعمیل کا مکلف ہے۔

۳۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (۱-۴)

ترجمہ:- اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو، اسی نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ صورت بنائی ہے اور اسی کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے، جو کچھ تم

Marfat.com

چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اس کو معلوم ہے اور وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے۔

---

سَبَّحَ۔ تسبیح کی۔ یُسَبِّحُ۔ تسبیح کرتا ہے۔ ما۔ (موصولہ) جو کچھ۔ فی۔ میں۔ لہ۔ اسی کے لئے خَلَقَ۔ اس نے پیدا کیا۔ ف۔ پس۔ تَعۡمَلُوۡنَ۔ تم کرتے ہو۔ بَصِیۡرٌ۔ دیکھنے والا، نگاہ رکھنے والا۔ صَوَّرَ۔ اس نے صورت بنائی۔ کُمۡ۔ تمہاری۔ الیہ۔ اس کی طرف۔ مصیر۔ پلٹ کر جانا۔ یَعۡلَمُ۔ وہ جانتا ہے۔ مَا تُسِرُّوۡنَ۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اَعۡلَنَ۔ اس نے اعلان کیا۔ یُعۡلِنُ۔ وہ اعلان کرتا ہے۔ تُعۡلِنُوۡنَ۔ تم سب اعلان (ظاہر) کرتے ہو۔ عَلِیۡمٌ۔ جاننے والا۔ بذات، حال، کیفیت۔ صَدۡرٌ۔ سینہ، دل۔ صُدُوۡر۔ دلوں، سینوں۔

تشریح:- ۱۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ۔۔۔۔ اس آیتِ کریمہ میں تین اہم نکات کی نشان دہی کی گئی ہے جس کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ا۔ پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں موجود ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے اور کرتی رہے گی، کیونکہ ہر چیز وجودی اور طبعی اعتبار سے اپنے مالک و خالق کی معترف ہے اور خالق کا اعتراف کرنا اور اس کی قوتوں کو تسلیم کرنا اور ان کا مختلف انداز سے ذکر کرنا ہی تسبیح ہے۔ دنیا و ما فیہا اور جو کچھ اس میں ہے، رب ذوالجلال کی قدرتِ کاملہ کی معترف ہے اور اپنے اپنے دائرے میں ساری مخلوقات اپنے خالق کی شان کا تذکرہ کرتی رہتی ہیں کیونکہ ان کا وجود اور ان کی تخلیق خالق کی قدرت کا شاہکار ہے۔

ب۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ساری بادشاہی اسی کی ہے۔ ہر چیز اسی مالک کی مملوک ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس پر صرف اسی ایک کی ملکیت ہے جب ہر چیز اس کی ملکیت ہے اور دنیا کی کوئی چیز کسی اور کی مِلک نہیں ہے تو پھر ہر قسم کی تعریف و ستائش اور حمد و ثناء کا سزاوار بھی وہ تنہا ہی ہے۔ اس لئے انسان و حیوان، چرند

Marfat.com

و پرند، شجر و حجر اور دیگر موجوداتِ عالم پر یہ لازم ہے کہ اسی کی تحمید و تہلیل کریں۔
ج۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق وہ ہے۔ ہر چیز اسی کی ملک ہے تو ہر چیز پر لازم ہے کہ اسی ہی کی تعریف کرے۔ اس کے ان اختیارات و کمالات کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف و اقرار ضروری ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ دنیا و مافیہا کی کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ تاہم وہ اپنی خاص حکمت کے تحت اپنی مخلوقات میں سے بعض کو بعض اختیارات سے نوازتا ہے اور اس کی یہ نوازش و عطا بھی اس کی قدرتِ کاملہ پر ہی دلالت کرتی ہے۔

۲۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ..... اس آیت کریمہ میں پروردگارِ عالم نے اپنی اس حکمت کے مظہر کو نمایاں کیا ہے کہ اگرچہ حضرتِ انسان کی تخلیق بھی اسی خالق ارض و سماوات نے کی ہے مگر اس کو بعض اختیارات اور آزادیاں دیں تاکہ وہ اس کی آزمائش کرے کہ یہ اختیارات سے مقررہ حدود کے اندر رہ کر فائدہ اٹھاتا ہے یا ان حدود و قیود سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ پر غور کرنے کے بعد یہ مترشح ہوتا ہے کہ:

ا۔ انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اسی نے اس کو وجود بخشا، گویا وہی اسے عدم سے وجود میں لایا۔ وہ کچھ نہ تھا تو اللہ نے اسے ایک باشعور مخلوق بنا دیا اگر انسان سیدھے طریقے سے اپنی اصل پہ غور و فکر کرتا تو وہ برملا اس کا اعتراف کرتا کہ اس کا وجود اصل نعمت ہے جس کی بدولت وہ دنیا کی جملہ نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہے اور اسے یہ نعمت اس کے خالق، مالک اور پروردگار نے دی ہے۔ یعنی وہ اپنے نظریۂ زندگی کی بنیاد انکار کی بجائے اقرارِ خداوندی پر رکھتا، تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔

ب۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت انسان کو عقل و شعور کی قوتیں عطا کیں اور اسے تخلیق کرنے کے بعد یہ اختیار دے دیا کہ چاہے تو کفر و معصیت کی راہ کو انتخاب کرے چاہے تو ایمان و ایقان اور تسلیم و رضا کی صراطِ مستقیم پر چلے۔ یعنی انسان

Marfat.com

کو اللہ نے قوانینِ طبعی کے شکنجے میں نہیں کسا جیسے کہ اس نے شمس و قمر کی منازل کو مقدر و معین کیا ہے۔ یہی انسان کا امتحان ہے کہ وہ اس اختیار سے اپنے مالک کی اطاعت و وفاداری کا ثبوت فراہم کرتا ہے یا طاغوت کے ہاتھوں میں کھیل کر خدا کی بغاوت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

ج۔ اللہ پاک نے انسان کو پیدا تو فطرتِ سلیمہ پر کیا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ انسان ایمان کی راہ اختیار کرتا اور اپنے رب کی نعمتوں کا اقرار کرتا اور اطاعت و بندگی کی روش اپناتا، مگر ہوا یہ کہ انسان اپنے گھریلو ماحول سے متاثر ہوا۔ اپنے معاشرہ کی اقدار کا رنگ اس پر غالب آگیا، اس کے جذبات و خواہشات نے اس کا گھیراؤ کر لیا، دنیوی زندگی کی دل کش نعمتوں اور فوری منفعتوں نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر لیا اور اسے اپنے فریب کے دام میں ایسا گرفتار کر لیا کہ وہ حقیقت سے ناآشنا ہو گیا، رب کریم نے اس غافل انسان کو ان گمراہیوں اور اندھیروں سے نکالنے کے لئے رُشد و ہدایت کے مشعل بردار انبیاء و رسل کو بھیجا جو نہ صرف نورِ ہدایت سے اجالا ہی کر رہے تھے بلکہ وہ حق کی بھی منادی کرنے والے تھے، جن کی ندائے حق میں حضرت انسان کے لئے اخلاص، خیر خواہی اور سوز تھا مگر خواہشات کی بندگی میں مستغرق یہ حضرت بینائی سے محروم تھا کہ نورِ ہدایت سے ہونے والے اجالے کو دیکھ سکتا، سماعت سے عاری تھا کہ پیغامِ حق کو سن کر عقل کے کمپیوٹر کو کچھ FEED ترسیل کرتا کہ وہ تجزیہ کر کے اس کو حق و باطل کی شناخت کی تمیز سے نوازتا، اس کے دل و دماغ پر جذبات کے ایسے دبیز پردے تھے کہ اس تک معرفتِ حق اور ادراکِ حقیقت کی رسائی ہی نہ ہو سکتی تھی۔

د۔ اللہ انسان کے ان سارے اعمال و افعال کو اور افکار و نظریات کو ظاہری و باطنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ ان محرکات سے بھی باخبر ہے جو انسان کو خدا

Marfat.com

کی اطاعت کی جگہ معصیت پر اور اس کی وفاداری کی بجائے بغاوت پر اکساتے ہیں
اللہ کے علم اور اس کی قدرت کا اظہار اگلی آیات میں ذرا وضاحت سے آ رہا ہے۔

۳۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .... اس آیت کریمہ میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد بڑے حسین انداز میں انسان کی تخلیق کی منظر کشی کی ہے اور اس کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ اس نے تمہاری صورت گری کی ہے اور کیسی بھلی صورت بناتی ہے۔ اس انداز کا حسن یہ ہے کہ پروردگار انسان کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جس خالق نے زمین کو بنایا ہے جس پر تم چلتے ہو اور جس نے آسمانوں کو بنایا ہے جن کے سائے تلے کئی ایک آفات سے تم محفوظ ہو، اسی خالق نے تمہارے جسم کو متوازن پیدا کیا ہے اور تمہاری شکل و صورت کو استوار بنایا ہے پھر اس میں ضمیر، عقل اور شعور جیسی غیر مادی قوتوں کو ودیعت کر کے ساری مخلوق پر تمہاری برتری قائم کی ہے۔ وہ رب اس بات سے ہرگز عاجز نہیں ہے کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھاتے اور اپنے دربار میں لا کھڑا کرے اور تم سے اپنی بے شمار نعمتوں کے بارے میں سوال کرے۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل دو ارشادات قابل غور ہیں اور ہم سب کیلئے دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔

ا۔ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر ۸)

پھر آج کے دن (قیامت)، تم سے نعمتوں کے بارے میں باز پرس ضرور کی جاتے گی۔

ب۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (الاسراء ۳۶)

یقیناً کان، آنکھ اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔

۴۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... اس آیتِ مبارکہ میں رب ذوالجلال کے علم کی وسعتوں کا تذکرہ ہے۔ یعنی زمین اور آسمانوں کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی

Marfat.com

نگاہ سے اوجھل ہو۔ خالق ہونے کے حوالے سے وہ اپنی تخلیق کے ہر چھوٹے بڑے کل پرزے کے محلِ وقوع اور محلِ استعمال سے پوری طرح آگاہ ہے، جس طرح وہ زمین کی سطح پر موجود اور اس کی گہرائیوں میں پنہاں ہر چیز کو جانتا ہے اور آسمانوں میں موجود اور پوشیدہ موجودات سے آگاہ ہے، اسی طرح وہ اعضائے انسانی اور حواسِ خمسہ سے ظہور پذیر ہونے والے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اور دل و دماغ کی سطحوں پر ابھرنے والے افکار و نظریات اور ان کے باطن میں پوشیدہ و خوابیدہ جذبات، خواہشات، اغراض اور تمناؤں تک کو وہ جانتا ہے۔ اس سے نہ کائنات کی کوئی ظاہری و پوشیدہ چیز مخفی ہے نہ اس کائنات کی رونق، انسان کی ہی کوئی توانائی صلاحیت و اہلیت اس کی دسترس اور علم سے باہر ہے۔ اس لئے انسان کا یہ رویہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر کام میں اللہ ہی کو اپنا نگران و محافظ تسلیم کرے۔ اگر اہلِ ایمان میں اللہ اور ضمیر کی نگرانی و احتساب کا جذبہ زندہ و بیدار ہو جائے تو ان کی زندگی میں ایسی استواری آئے گی کہ ان کے لئے پھر بیرونی تدابیر و نظامِ احتساب کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

۴۔ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ہ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ہ (۵ - ۷)

ترجمہ:- کیا تمہیں ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنی شامت اعمال کا مزہ چکھا اور آگے ان کے لئے ایک دردناک عذاب

ہے۔ اس انجام کے مستحق وہ اس لئے ہوتے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آتے رہے، مگر انھوں نے کہا، کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ اس طرح انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا، تب اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا۔ اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود۔ منکرین نے بڑے دعوئی سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ اٹھائے نہ جائیں گے۔ ان سے کہو، نہیں میرے رب کی قسم تم اٹھائے جاؤ گے۔ پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان ہے۔

---

یاتی۔ آتا ہے۔ لم یأت۔ نہیں آئی ہے۔ فَذَاقُوْا۔ پس انھوں نے مزہ چکھا۔ وبال اَمْرِ ھِمْ۔ ان کی شامت اعمال۔ بَیِّنٌ۔ واضح۔ بَیِّنَۃٌ۔ کھلی دلیل۔ بَیِّنٰت۔ دلیلیں نشانیاں۔ یَھْدُوْنَنَا۔ ہمیں ہدایت دیں گے۔ زَعَمَ۔ گمان کیا، خیال کیا، دعوئے کیا۔ لَنْ یُّبْعَثُوْا۔ وہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ لَتُبْعَثُنَّ۔ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ لَتُنَبَّؤُنَّ تم ضرور بتائے جاؤ گے۔ عَمِلْتُمْ۔ تم نے کیا۔ یَسِیْرٌ۔ آسان۔

تشریح:۔ ا۔ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ ..... گزشتہ آیات میں اللہ رب العزت کی قدرت تخلیق، اس کی بادشاہی، اس کی صفات عالیہ اور اس کے علم و مقدرت کا تذکرہ کیا گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہی انسان کے اختیار اور آزادی کا تذکرہ کیا گیا، جس کے نتیجے میں بعض نے کفر اور بعض دوسروں نے ایمان کی روش اختیار کی انسان کی اس روش پر اللہ تعالیٰ نے اپنی باخبری اور علمیت کا تذکرہ کیا۔ لیکن اس آیتِ مبارکہ میں کفر کی روش اختیار کرنے والوں کے انجام کا تذکرہ ہے۔ اہلِ ایمان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ کیا تمہارے سامنے تاریخ کے ان واقعات کو بیان نہیں کیا گیا کیا اجڑی و برباد بستیاں گواہی نہیں دے رہیں۔ کیا عاد و ثمود کی ہلاکت کی داستانیں

Marfat.com

تمہیں نہیں سنائی جا رہیں اور کیا تمہارے لئے ان داستان ہائے عبرت میں کوئی سبق نہیں ہے کہ زمین کی سطح پر جس فرد نے انفرادی طور پر یا جس قوم نے اجتماعی طور پر خدا کا انکار کیا، اللہ کے احکام کو توڑا اور بغاوت و معصیت کی روش اختیار کی اسے اللہ کی پکڑ نے آلیا۔ اور اس کو نافرمانی اور بغاوت کی سزا دی گئی اس کو عبرت ناک انجام سے ہمکنار کیا گیا۔ ان پر یا تو آسمان سے پتھر برسائے گئے یا ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ یا ان کی ہیئت وصورت کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے لئے قیامت کی رسوائی ہے اور دردناک عذاب ہے۔ اس لئے آج بھی جو لوگ خدا کی معصیت و نافرمانی کی روش اختیار کریں گے، اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو پامال کریں گے وہ اپنے اسی انجام سے ہمکنار ہوں گے۔ جن سے ان کے پیشرو کفر و شرک اور نفاق و معصیت کے نتیجے میں ہو چکے ہیں۔

۲۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ ..... ذالک کا اشارہ اگر عذاب کی طرف سمجھا جائے تو یہ معنی دے گا کہ ان کو دردناک عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کے فرستادہ (بھیجے ہوئے) انبیاء و رسل کی یہ کہہ کر تکذیب کی کہ یہ تو خود انسان ہیں، یہ ہمیں کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان انبیاء و رسل کو واضح نشانیاں دے کر ان کی طرف بھیجا تھا۔ لفظ بیّنات وسیع المعنی ہے۔ اس سے مراد۔

ا۔ وہ معجزات ہیں جو ان رسولوں کے مامور من اللہ ہونے کی کھلی شہادت پیش کرتے تھے۔

ب۔ وہ روشن تعلیمات ہیں جو بالکل واضح ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شک نہ تھا، نہ ہو سکتا ہے۔

ج۔ انبیاء کا وہ طرز بیان اور فصاحت و بلاغت ہے جس سے حق و باطل بالکل

Marfat.com

واضح ہو جاتا ہے، یعنی وہ دلائل و براہین جو حق کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے وہ پیش کرتے تھے وہ بالکل واضح اور غیر مبہم تھے۔

د۔ کائنات کی تمام موجودات اور مخلوقات خالق کے وجود اور اس کی وحدانیت کی زندہ اور روشن دلیل ہیں،

۳۔ زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا..... اس آیتِ مبارکہ میں کافروں کی کافرانہ اور خدا کے باغیوں کی باغیانہ روش کے اصل سبب کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ سب اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کچھ بھی نہیں ہے اور وہ دوبارہ اٹھائے جانے اور اپنے اعمالِ بد کی جواب دہی کے نظریہ کی سرے سے نفی کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دنیوی زندگی کے بارے میں ان کے افکار یہ ہیں کہ یہی زندگی سب کچھ ہے، اس میں اپنے آرام و آسائش کو حاصل کرو اور اس سلسلہ میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز کی چنداں ضرورت نہیں ہے اللہ پاک کفار کے زعم باطل کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور اپنے نبی کی زبان سے کہلاتے ہیں کہ رب کائنات کی قسم کھا کر انھیں باور کراؤ کہ تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور اللہ کی عدالت میں پیش کئے جاؤ گے جہاں تمہارے تمام اعمال پیش کئے جائیں گے اور ان اعمال کے وزن کے مطابق جزا و سزا سنائی جائے گی۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ۝ نَارٌ حَامِیَةٌ (القارعۃ - ۶-۱۱)

پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہو گا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہو گی۔ اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

Marfat.com

۴- وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ.... اور یہ بہت ہی آسان ہے۔ یعنی قیامت کا برپا کرنا اور پھر انسان کو بطور خاص دوبارہ اٹھانا اور اس کا حساب وکتاب کرنا نیکوکاروں کو وسیع وعریض باغات میں داخل کرنا اور بدکاروں اور نافرمانوں کو تنگ وتاریک اور گہرے آگ کے گڑھوں میں پھینکنا۔ یہ آسان اس لئے ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کی تعمیل میں مستعد ہے۔ جب ساری کائنات اس کی مخلوق و مملوک ہے تو خالق کو کیا مشکل ہے۔ اس کے تو ارادے پر ساری کائنات جنبش میں آجاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰس۔ ۸۲)

جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا تو ہو جاتی ہے۔

۵- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جب اجتماع کے دن تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہ دن ہو گا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا۔ جو اللہ پر ایمان لایا اور نیک عمل کرتا ہے اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں

Marfat.com

میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ کے باشندے ہوں گے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

---

یَوْمٌ۔ دن۔ یَجْمَعُ۔ وہ جمع کرتا ہے، جمع کرے گا۔ تَغَابُنُ۔ غبن سے ہے بمعنی لین دین یا خرید فروخت۔ کَفَّرَ عَنْ۔ جھاڑ دینا، اسی لفظ سے کفارہ ہے جس کے معنی تلافی کے ہیں۔ سَیِّئَۃٌ برائی، گناہ۔ خَالِدِیْنَ۔ قیام کریں گے۔ اَبَدًا۔ ہمیشہ۔ الفوز۔ کامیابی۔ بِئْسَ۔ برا۔ مَصِیْرٌ۔ ٹھکانہ۔ اَصَابَ۔ پہنچی۔ دکھ درد ہوا، زخمی ہوا۔

**تشریح** :-۱- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ..... گزشتہ آیات میں خالق کی قدرت و قوت کا تذکرہ کرنے کے بعد بالواسطہ طور پر ذہنِ انسانی کو اللہ کی ذات اور رسول اللہ کی رسالت کو تسلیم کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اسے متنبہ بھی کر دیا گیا کہ اگر اس نے اعترافِ حقیقت نہ کیا اور رب چاہی کے بجائے من چاہی زندگی گزاری تو پھر اسے اپنے پروردگار کے آگے جواب دہی کے لئے تیار رہنا چاہیئے اس آیتِ مبارکہ میں براہِ راست دنیا کے انسانوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ:-

ا۔ اللہ پر ایمان لاؤ۔

ب۔ اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ۔

ج۔ اور اس نورِ ہدایت (قرآن) پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

د۔ یوم آخرت پر ایمان لاؤ جب سب کو جمع کیا جائے گا۔ اور لوگوں کے لئے ہار جیت کامیابی و ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۲- اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو شخص ایمان لائے گا اور اپنے اعمال اس خاکے کے

Marfat.com

مطابق ڈھال لے گا جو خاکہ انسان کے خالق و مالک نے اس کے لئے تیار کر رکھا ہے تو بلاشبہ اس وفاداری، اطاعت گزاری اور عبدیت و بندگی پر رب کی طرف سے انعام یہ ملے گا کہ ان کی گزشتہ تمام خطائیں، لغزشیں اور گناہ معاف کر دیتے جائیں گے ان کے ظاہر و باطن کی آلائشیں آبِ ایمان سے دور کر دی جائیں گی اور عملِ صالح سے ان کی تزئین و آرائش کر کے ایسے باغات میں لے جائے جائیں گے، جہاں داخل ہونے کے بعد انھیں دنیا و مافیہا اور دیگر ایسی ایسی نعمتیں دی جائیں گی جن سے وہ خوشدل ہو جائیں گے اور وہ اطمینان و سکون اور ناز و نعم کی لازوال زندگی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ جو لوگ اپنے رب کی جنت میں داخل کئے جائیں گے، یہ ان کے لئے بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے۔ دنیا جس طرح بے ثبات اور غیر یقینی ہے، اس میں حاصل کامیابی بھی بے ثبات اور غیر یقینی ہے، یہ چند روزہ زندگی کی کامیابی بھی انتہائی مختصر ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے اس لئے مسلمان کی ساری سرگرمیوں کا مرکز و محور مشیتِ خداوندی اور رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔ اسے اپنی تمام جد و جہد آخرت کی کامیابی پر مرکوز رکھنا چاہیئے جب بلند تر مقصد کے لئے جد و جہد کی جاتے گی تو اس کے لئے مجاہدہ بھی کمال درجے کا ہی کرنا پڑے گا۔ اور جب مجاہدہ کمال درجے کا ہو گا تو اس سے ذیلی اور ظلی مقاصد از خود حاصل ہو جائیں گے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیں گے۔

مجاہدہ کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کش مکش اور جد و جہد کرنے کے ہیں۔ اور جب کسی خاص مخالف طاقت کی نشان دہی نہ کی جاتے بلکہ مطلقاً مجاہدہ کا

Marfat.com

لفظ استعمال کیا جاتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی کش مکش ہے۔ مومن کو اس دنیا میں جو کشمکش کرنی ہے۔ اس کی نوعیت بھی کچھ ہے۔ اسے شیطان سے بھی لڑنا ہے جو اس کو ہر آن نیکی کے نقصانات سے ڈراتا ہے اور بدی کے فائدوں اور لذتوں کا لالچ دلاتا رہتا ہے۔ اسے اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے، جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے، اپنے گھر سے لے کر آفاق تک کے ان تمام انسانوں سے لڑنا ہے جن کے نظریات دینِ حق سے متصادم ہوں، یہ مجاہدہ ایک دن، دو دن کا نہیں عمر بھر کا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ دنیا بھر سے کشمکش کا خطرہ مول لیتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ ان کے حال پر نہیں چھوڑتا بلکہ وہ ان کی دستگیری اور رہنمائی فرماتا ہے اور اپنی طرف آنے کی راہیں ان کے لئے کھول دیتا ہے اور ہر ہر موڑ پر انھیں روشنی دکھاتا ہے۔

۳۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا ...... اس آیت میں ان لوگوں کے بُرے انجام کا تذکرہ ہے جو خدا کی دھرتی پر بستے ہوئے اس کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے جو اللہ کی نعمتوں سے اپنی زندگی کو عبارت کئے ہوتے ہیں، اس کی ہواؤں سے سانس لیتے ہیں، اس کے آفتاب کی روشنی سے استفادہ کرتے ہیں، اس کی زمین سے اُگنے والے نباتات وثمرات سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں، جو اس کے عطا کردہ وجود سے سب کچھ ہیں، ورنہ وہ کچھ نہ تھے۔ ایسے باغیوں اور سرکشوں کا حال یہ ہے کہ وہ صرف کفرانِ نعمت ہی نہیں کرتے، خود خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت تک کے منکر ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ انکار کرنے کے ساتھ ساتھ پوری شد و مد کے ساتھ اور پوری قوت سے اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، یہ بغاوت کی سنگین ترین قسم ہے کہ وہ خدا کے مقابل معبودانِ باطل کی پیروی کرتے ہیں، خدا کے رسولوں اور اس کی

---

۱۔ تفہیم القرآن: ج ۳، ص ۶۷۷

Marfat.com

آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور خدائی نظام کے مقابل میں بے خدا نظام کی وکالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی باغیوں اور سرکشوں کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سزا ہے ان کی سرکشی اور بغاوت کی جو انھوں نے مالک حقیقی کے خلاف کی ہے۔

۴۔ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ .... اس آیت کریمہ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان پر جو آزمائش اور تکلیف بھی آتی ہے وہ منجانب اللہ ہوتی ہے اور اللہ کڑے لمحات میں دراصل انسان کی آزمائش اور امتحان کرتا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ خدا آشنا نہیں ہیں وہ اس پر واویلا کرتے ہیں اور پریشان ہو جاتے ہیں، ذہنی و اعصابی دباؤ کے وہ شکار ہو جاتے ہیں، مگر جن کے دل میں ایمان باللہ کی مشعل روشن ہوتی ہے تو وہ اللہ پر توکل کرتے ہیں، نماز اور صبر کے ذریعے وہ ان مصائب و آلام پر قابو پانے کے لئے اپنے رب سے استعانت چاہتے ہیں توفیق طلب کرتے ہیں۔ اس کے آگے گریہ وزاری کرتے ہیں، اس کے آستانے پر اپنی جبینِ نیاز جھکا دیتے ہیں، اس کے دربار کے سائل بنتے ہیں۔ جس سے ان کے دل کو ایک اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جو ان کی اندرونی کیفیات کو مستحکم کرتا ہے۔ اسی کو پروردگار یَهۡدِ قَلۡبَهٗ سے تعبیر کرتا ہے یعنی ان اہل ایمان کے دل میں اللہ وہ روشنی دیتے ہیں، وہ اطمینان عطا کرتے ہیں، وہ یکسوئی نصیب کرتے ہیں کہ مومن آنے والی تکالیف پر ایسا مثبت رویہ اختیار کرتے ہیں کہ پروردگار خود ان کی کیفیات باطنی کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۝ (البقرۃ۔ ۱۵۵، ۱۵۷)

Marfat.com

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو، یہ وہ لوگ ہیں جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی۔ اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

۵۔ آیت نمبر ۹ میں لفظ تغابن استعمال ہوا ہے جسے سورۃ کا عنوان بھی بنایا گیا ہے

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔

اس آیت کی صحیح تشریح اور یوم التغابن کا مفہوم متعین کرنے کے لئے مفسرین کی درج ذیل آراء کا مطالعہ مفید ہو گا۔

ا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ظالم کی اتنی ہی نیکیاں مظلوم لوٹ لے جاتے گا۔ جو اس پر ہونے والے ظلم کا بدلہ ہو سکیں یا مظلوم کے اتنے گناہ ظالم پر ڈال دیتے جائیں گے جو اس کے حق کے برابر وزن رکھتے ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص کے ذمے اپنے کسی بھائی پر کسی قسم کے ظلم کا بار ہو اسے چاہیے کہ یہیں اس سے سبکدوش ہو لے کیونکہ آخرت میں دینار و درہم ہوں گے نہیں، وہاں اس کی نیکیوں میں سے کچھ مظلوم کو دلوائی جائیں گی یا اگر اس کے پاس نیکیاں کافی نہ ہوں تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر ڈال دیتے جائیں گے۔

ب۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تغابن کا لفظ زیادہ تر تجارت کے معاملہ میں بولا جاتا ہے۔ مومن اگر نافرمانی کا راستہ چھوڑ کر اطاعت اختیار کرتا ہے اور اپنی جان، مال اور محنتیں خدا کے راستے میں کھپا دیتا ہے تو گویا وہ گھاٹے کا سودا چھوڑ کر ایسی تجارت میں اپنا سرمایہ لگا رہا ہے جو آخرِ کار انجام کے اعتبار سے نفع دینے والی ہے اس کے مقابلہ میں کافر، انکار، نافرمانی اور بغاوت کا راستہ اختیار کر کے ممکن ہے

Marfat.com

دنیوی منفعت حاصل کرلے مگر حقیقت میں اس نے ہدایت کے بدلے گمراہی، روشنی کے بدلے تاریکی اور نفع کے بدلے نقصان اور گھاٹے کا سودا کیا ہے۔

ج۔ ایک راز یہ بھی ہے کہ دنیا میں تو شب و روز تغابن ہوتا ہی رہتا ہے لیکن یہ تغابن ظاہری اور نظر فریب ہے اصل تغابن قیامت کے روز ہوگا۔ وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ اصل میں خسارہ کس نے اٹھایا اور نفع کون کما لے گیا۔ اصل میں دھوکہ کس نے کھایا اور کون ہوشیار نکلا، اصل میں کس نے اپنا تمام سرمایۂ حیات ایک غلط کاروبار میں کھپا کر اپنا دیوالیہ نکال دیا اور کس نے اپنی قوتوں، قابلیتوں، مساعی اموال اور اوقات کو نفع کے سودے پر لگا کر وہ سارے فائدے لوٹ لئے جو اس شخص کو بھی حاصل ہو سکتے تھے۔ اگر وہ دنیا کی حقیقت سمجھنے میں دھوکہ نہ کھاتا۔[1]

۶۔ اس لئے ہمیں اخروی کامیابی اور نفع کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں کو ایسی سرگرمیوں میں لگانا ہے جو اللہ کی اطاعت و بندگی میں اس کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے ترتیب دی جائیں، ہمیں اپنی زندگی کا نقشہ انسانِ کامل کے مثالی نمونہ کے مطابق تشکیل کرنا ہے تاکہ اتباعِ کامل کے نتیجے میں اللہ کے محبوب بن جائیں اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں ہمیں حاصل ہو جائیں۔

۶۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

---

[1] تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۳۸۔

Marfat.com

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۱۲ - ۱۸)

ترجمہ:۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو، لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسول پر صاف صاف حق پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہذا ایمان لانے والوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اے لوگو جو ایمان لاتے ہو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو، اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور سنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے، جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا۔ اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے، حاضر و غائب ہر چیز کو جانتا ہے زبردست اور دانا ہے۔

---

اَطِيْعُوا اللّٰهَ۔ اللہ کی اطاعت کرو۔ فَ۔ پس۔ اِنْ۔ اگر۔ اَنْ۔ یہ کہ۔ اِنَّ۔ بے شک۔ تَوَلَّيْتُمْ تم نے منہ موڑا۔ اَلْبَلَاغُ۔ پہنچانا۔ فَلْيَتَوَكَّلْ۔ پس توکل، بھروسہ کرنا چاہیئے۔ عَدُوٌّ۔ دشمن لَكُمْ۔ تمہارے لئے۔ فَاحْذَرُوْا۔ پس تم ہوشیار رہو۔ تَعْفُوْا۔ تم معاف کرو۔ تَصْفَحُوْا درگزر کرو۔ فِتْنَةٌ۔ آزمائش۔ اِسْتَطَعْتُمْ۔ جتنی تم میں طاقت ہے۔ وَاسْمَعُوْا اور سنو۔ يُوْقَ۔ بچا لیا۔

تشریح:۔ ۱۔ ان آیاتِ کریمہ میں انسانی زندگی کی کامیابی کے لئے چند ایک

Marfat.com

رہنما اصول وضع کئے گئے ہیں، اگر ان اصولوں کو اپنایا جاتے تو انسان کو دین اور دنیا کی بھلائیاں مل سکتی ہیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

ب۔ رسول کا مشن، ابلاغ حق۔

ج۔ اللہ کی وحدانیت کا یقین۔

د۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ۔

ہ۔ بیویوں اور بچوں کی دشمنانہ سرگرمیوں سے احتیاط۔

و۔ معاشرتی زندگی میں عفو و درگزر کا رویہ۔

ز تقویٰ۔

س۔ احکامِ الٰہی کے تحت انفاق فی سبیل اللہ۔

ط۔ قرضِ حسنہ۔

۲۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔۔۔۔ اس آیت کو آیت نمبر ۱۶ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ صورت بنتی ہے کہ اللہ کی وحدانیت کا دل میں یقین کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص اللہ کی توحید کا اقرار کر لیتا ہے تو اس اقرار کے ساتھ ہی دوسرے تمام معبودوں کا انکار لازم آتا ہے۔ وہ معبود خواہ بتوں کی شکل میں ہوں یا شمس و قمر یا شجر و حجر کی صورت میں، وہ معبود انسانوں کی شکل میں ہوں یا ہوائے نفس کی صورت میں انسان کو اپنی خواہشات و جذبات اور تمناؤں کو اللہ کے احکام کی اطاعت میں حائل ہونے سے مطلق روکنا پڑتا ہے۔ خدا کی توحید اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ربِ کائنات نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اسی انداز میں کیا جاتے اور جن امور سے روکا ہے ان سے فوراً رکا جاتے۔ ان آیات کی روشنی میں کرنے کے جو کام ہیں اور احتیاط کے جو امور ہیں وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اوامر :۔ انسان کو یہ حکم ہے کہ۔

۱۔ وہ اللہ کی ذات کو واحد و یکتا تسلیم کرے، ساری قوتیں اور طاقتیں اسی ایک میں مانے۔ اسے انسان، کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا خالق، مالک اور رب جانیں۔

۲۔ اللہ کے لئے ساری قوتیں تسلیم کرنے کے ساتھ ہی ہر قسم کے رنج و غم اور دکھ درد کے لمحات میں صرف اللہ پر ہی توکل اور بھروسہ کرے۔

۳۔ اللہ نے اس کی ہدایت اور رہنمائی کا جو انتظام کیا ہے اس انتظام پر اطمینان کا اظہار کرے اور رسول کی طرف سے اسے جو ابلاغِ حق ہوتا ہے اس کے بارے میں درج ذیل رویہ اپنائے۔

ا۔ اللہ کے رسول کو تسلیم کرے۔

ب۔ اس کے وعظ کو غور سے سُنے۔

ج۔ اس کے حکموں کی اطاعت کرے۔

د۔ اس کے پیارے طریقوں کو اپنائے۔

۴۔ تقویٰ اختیار کرے یعنی ہر وقت اللہ کی مشیّت اور رضا کو مقدم رکھے، اسی سے ڈرے، صرف اس کے خوف کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنائے۔

۵۔ اللہ نے اس کو جو مال دے رکھا ہے، جو قوتیں عطا کر رکھی ہیں اس کو جو قابلیتیں ودیعت کر رکھی ہیں وہ سب کچھ اللہ کی راہ میں اس یقین کے ساتھ کھپائے کہ اس کی کوئی سرگرمی اور عمل رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اسے تو کئی گُنا دیا جائے گا۔

ب۔ نواهی :۔ انسان کو پروردگار چند ایک برائیوں سے روکتا ہے جو اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر سکتی ہیں یا معصیت و نافرمانی پر مائل کر سکتی ہیں، پروردگار کا یہ روکنا بھی خود انسان ہی کے مصالح میں ہے۔

۱۔ اللہ انسان کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تم نے ہمارے رسول کی بات نہ سُنی اور ہدایت

Marfat.com

سے منہ موڑ لیا تو اس میں سراسر تمہارا اپنا نقصان ہے، ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا تھا۔ اس نے محض ابلاغ نہیں کیا، بلکہ اس میں اخلاص، سوز اور خیر خواہی کو بھی داخل کیا ہے اس لئے تمہیں زیبا نہیں ہے کہ تم حق سے منہ موڑ و۔

۲۔ تمہاری بیویاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو، ہوشیار رہو اور احتیاط برتو۔ ان کی دشمنی کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔

ا۔ ایک تو یہی ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو اور تمہاری بیویوں اور بچوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا۔ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانے پر لاگو ہے یا ہر ایسے نومسلم پر جس نے خود تو اسلام قبول کر لیا ہے مگر اس کے اہل و عیال نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا اس طرح سے ان کے مابین عداوت کی بنیاد قبولِ حق اور انکارِ حق ہے۔

ب۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تم اور تمہارے بیوی بچے مسلمان ہیں۔ لیکن تمہارے اور تمہارے اہل و عیال میں ایمان کے درجے کا فرق ہے، آپ حلال ذرائع پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام کی سختی سے پابندی کرتے ہیں مگر تمہارے اہل خانہ ان حدود و قیود کو تنگی اور ناروا سمجھتے ہیں، اور تمہیں ہر وقت ناجائز فرمائشیں کر کے احکامِ خداوندی کو پامال کرنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ کھلی دشمنی اور صریح عداوت کا مظہر ہے۔ یہاں پر تمہارے اور تمہارے اہل و عیال کے درمیان عداوت و مخاصمت کی بنیاد اطاعت و معصیت ہے تم اطاعت کی روش اپنانے کا اہتمام کرتے ہو جب کہ تمہارے اہلِ خانہ تمہیں معصیت پر اکساتے ہیں۔

۳۔ انہی وجوہ پر اللہ تعالےٰ نے اموال و اولاد کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔ انسان مال اور اولاد کی محبت میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہ حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں کئی ایک احکامِ خداوندی ٹوٹتے ہیں۔ اسی لئے انسان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ بیوی بچوں اور مال کو ایک آزمائش سمجھو اور ان کے ناجائز مطالبات سے

Marfat.com

ہوشیار رہو۔

۴۔ چوتھی چیز جس سے پروردگار نے منع فرمایا ہے وہ ہے دل کی تنگی۔ یہاں اس سے ممانعت کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ بڑا حکیمانہ ہے۔ یعنی جو شخص اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے وہ کامیاب ہو گئے، فلاح پا گئے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ:۔

ا۔ دل کی تنگی کا شکار وہ انسان ہوتا ہے جو اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور مال ہی کو سب کچھ سمجھ لے، اور یہ گمان کرے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔

ب۔ دل کی تنگی اس کے ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتی ہے، نہ صرف یہ کہ وہ انسان اللہ ہی سے بے نیاز ہو جاتا ہے بلکہ اس کی آنکھیں ایسی خیرہ ہوتی ہیں کہ وہ آخرت اور قیامت سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔

۳۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ...... سورۃ التغابن کا اختتام اس آیت مبارکہ پر ہو رہا ہے جس میں رب ذوالجلال کی تین صفات عالیہ کا ذکر ہے۔

ا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ یعنی حاضر و غائب ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس مقام پر اس صفت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے، اسی طرح انسان سے جن اعمال کا ظہور ہوتا ہے اس کے پیچھے جو نیت کارفرما ہے اللہ اس سے بھی آگاہ ہے یعنی جو باطنی محرکات و خواہشات ہیں ان کو بھی جاننے والا ہے۔

ب۔ اَلْعَزِیْزُ۔ وہ زبردست ہے، وہ اپنی طاقت میں زبردست ہے وہ اپنے علم میں زبردست ہے، اپنی قدرت میں زبردست ہے اور اپنی حکمت میں زبردست ہے۔

ج۔ اَلْحَکِیْمُ۔ وہ دانا ہے، انتہائی حکمت اس کے پاس ہے، نظام کائنات اختیارِ انسان اور قیامِ آخرت اس کی حکمت کے مظاہر ہیں۔

❊

Marfat.com

Marfat.com

# سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلُ

نام :- پہلی ہی آیت کے لفظ اَلْمُزَّمِّلُ کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے یہ صرف نام ہے اس کے مضامین کا عنوان نہیں ہے۔

زمانۂ نزول :- اس سورۃ کے دو رکوع دو الگ زمانوں میں نازل ہوتے ہیں، پہلا رکوع بالاتفاق مکّی ہے۔ اس کے مضامین اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ مکّی زندگی کے کس دور میں نازل ہوا ہے، اس کا جواب ہمیں روایات سے تو نہیں ملتا۔ لیکن اس رکوع کے مضامین کی داخلی شہادت اس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

اولاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تاکہ آپ کے اندر نبوّت کے بارِ عظیم کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضورؐ کی نبوت کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہوا ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے اس منصب کے لئے آپ کی تربیت کی جا رہی تھی۔

ثانیاً اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نمازِ تہجد میں آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآن مجید کی تلاوت کی جاتے۔ یہ ارشاد خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصّہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرآت کی جا سکے۔

ثالثاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار مکّہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رکوع اس

Marfat.com

زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسّرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے، لیکن بعض دوسرے مفسّرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے۔ اور اس رکوع کے مضامین سے اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شرح اور نصاب کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

**موضوع اور مضامین:۔** پہلی سات آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس کارِ عظیم کا بار آپ پر ڈالا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے آپ اپنے آپ کو تیار کریں اور اس کی عملی صورت یہ بتائی گئی۔ ہے کہ راتوں کو اُٹھ کر آپ آدھی رات، یا اس سے کچھ کم و بیش نماز پڑھا کریں۔

آیات ۸ سے ۱۴ تک حضور کو تلقین کی گئی ہے کہ سب سے کٹ کر اس خدا کے ہو رہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اپنے سارے معاملات اسی کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیں۔ مخالفین جو باتیں آپ کے خلاف بنا رہے ہیں ان پر صبر کریں، اُن کے منہ نہ لگیں اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں کہ وہی ان سے نمٹ لے گا۔

اس کے بعد آیات ۱۵ سے ۱۹ تک مکہ کے ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے، متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اسی طرح تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا تھا، پھر دیکھو کہ جب فرعون نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی تو وہ کس انجام سے دوچار ہوا۔ اگر فرض کرلو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ آیا تو قیامت کے روز تم کفر کی سزا سے کیسے بچ نکلو گے۔

Marfat.com

یہ پہلے رکوع کے مضامین ہیں۔ دوسرا رکوع حضرت سعید بن جبیر کی روایت کے مطابق اس کے دس سال بعد نازل ہوا اور اس میں نمازِ تہجد کے متعلق اس ابتدائی حکم کے اندر تخفیف کر دی گئی جو پہلے رکوع کے آغاز میں دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک تہجد کی نماز کا تعلق ہے وہ تو جتنی بآسانی پڑھی جا سکے پڑھ لیا کرو، لیکن مسلمانوں کو اصل اہتمام جس چیز کا کرنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ پنج وقتہ فرض نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھیں۔ فریضۂ زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خلوص نیت کے ساتھ صرف کریں، آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ جو بھلائی کے کام تم دنیا میں انجام دو گے وہ ضائع نہیں جائیں گے بلکہ اس کی حیثیت اس سامان کی سی ہے۔

---

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۝ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ۝ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ۝

ترجمہ:۔ اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر ہے اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

تشریح:۔ یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ۔ ان الفاظ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت آپ یا تو سو چکے

Marfat.com

تھے یا سونے کے لئے چادر اوڑھ کر لیٹ رہے تھے۔ اس طرح مخاطب کرنے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ دور گزر گیا جب آپ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتے تھے، اب آپ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

قُمِ الَّیْلَ ۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رات نماز میں رہ کر گزارو اور اس کا کچھ حصہ سونے میں صرف کرو۔ دوسرا یہ کہ پوری رات نماز میں گزار دینے کا مطالبہ تم سے نہیں ہے بلکہ آرام بھی کرو اور رات کا ایک حصہ عبادت میں بھی صرف کرو۔ لیکن پہلا مطلب ہی زیادہ مناسب لگتا ہے اور اسی کی تائید سورۃ دہر کی آیت نمبر ۲۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا۔

رات کو اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو اور رات کا طویل حصہ اس کی تسبیح کرتے ہوتے گزارو۔

نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا۔ اس میں آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ خو آدھی رات نماز میں صرف کریں یا اس سے کچھ کم کریں یا اس سے کچھ زیادہ، لیکن اندا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلِ ترجیح آدھی رات ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ یعنی قرآن تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو بلکہ آہستہ آہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو، تاکہ ذہن میں پوری ط کلامِ الٰہی کا مفہوم و مدعا آجاتے۔ غرض یہ قرأت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے کر دینے کے لئے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ ایک روایت میں حضرت اُم سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک لفظ و طور پر پڑھا کرتے تھے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ رات بھر کی نماز کا یہ حکم اس لئے دیا جا

Marfat.com

ہے کہ ایک بھاری کلام آپ پر نازل ہونے والا ہے، جس کا بار اٹھانے کے لئے تم میں تحمل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے۔ اور یہ طاقت اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کم و بیش عبادت میں گزارو۔ کلام کو بھاری کلام اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی دعوت کو لے کر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اَشَدُّ وَطْأً۔ رات کو عبادت کے لئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا۔ یہ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ پر قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلط حاصل کر کے اپنی اس طاقت کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جاتے وہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ دینِ حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے کام کر سکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔ کیونکہ ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے۔

چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت چونکہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے، اس لئے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے، وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝

ترجمہ:- دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو، اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو، وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو، اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔

تشریح:- وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ، اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو یعنی دنیا میں ہر طرح کے کام کرتے ہوتے بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہو۔

وَكِیْلًا۔ وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمہارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے، ان پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہیں ہونی چاہیئے، کیونکہ اب تمہارا رب تمہارا مقدمہ لڑے گا، تمہارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمہارے سارے کام وہ بناتے گا۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ الگ ہو جاؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے مقاطعہ کر کے تبلیغ بند کر دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ لگو اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو، اصل میں آپ پہلے ہی سے اسی طریقے پر عمل فرما رہے تھے لیکن قرآن میں یہ ہدایت اس لئے دی گئی کہ کفار کو بتا دیا جاتے کہ تم جو حرکتیں کر رہے ہو ان کا جواب نہ دینے کی وجہ کمزوری نہیں بلکہ اللہ نے ایسی باتیں جو کفار کرتے ہیں آپ کو ان کے جواب میں شریفانہ طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

Marfat.com

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝
اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ
تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ
اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ
اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ط

ترجمہ:- ان جھٹلانے والے خوشحال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اور انہیں ذرا کچھ دیر اسی حالت میں رہنے دو، ہمارے پاس (ان کے لئے) بھاری بیڑیاں ہیں، اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے والا اور دردناک عذاب، یہ اس دن ہوگا، جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہوگا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔

تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا (پھر دیکھ لو) فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کروگے تو اس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

تشریح :- ذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ - ان الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ حضورؐ کو جھٹلا رہے تھے اور تعصبات ابھار کر عوام کو آپ کے خلاف کر رہے تھے، وہ قوم کے کھاتے پیتے خوشحال لوگ تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔

كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا :- اس وقت یہ پہاڑ پہلے تو باریک ریت کے ٹیلے بن جائیں گے، پھر جو زلزلہ زمین کو ہلا رہا ہو گا اس کی وجہ سے یہ ریت بکھر جائے گی اور

Marfat.com

ساری زمین ایک چٹیل میدان بن جاتے گی۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ دنیا میں ان کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق کی شہادت دیں، اور یہ بھی کہ آخرت میں جب اللہ تعالےٰ کی عدالت برپا ہو گی، اس وقت آپ یہ گواہی دیں کہ میں نے ان لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا۔

یَجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا ۔ اول تو تمہیں ڈرنا چاہیئے کہ اگر ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی بات تم نے نہ مانی تو وہ برا انجام تمہیں دنیا میں ہی دیکھنا ہو گا جیسے فرعون دیکھ چکا ہے۔ لیکن اگر فرض کرو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ بھی بھیجا تو روز قیامت کے عذاب سے کیسے بچ نکلو گے۔

كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ
فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ
اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ
مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ
عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ
مَّرۡضٰى ۙ وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ
وَاٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ ۙ وَ
اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَمَا
تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ
اَجۡرًا ؕ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

ترجمہ:۔ اور جس سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہو گا، اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار

Marfat.com

کرے، اسے نبی، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو، بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

تشریح :۔ یہ آیت جس کے اندر نمازِ تہجد کے حکم میں تخفیف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں، حضرت عائشہؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حکم کے بعد یہ دوسرا حکم ایک سال کے بعد نازل ہوا، اور رات کا قیام فرض سے نفل کر دیا گیا۔

طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۔ ابتدائی حکم میں صرف حضورؐ کو ہی خطاب کیا گیا تھا اور آپ ہی کو قیامِ لیل کی ہدایت فرمائی تھی۔ لیکن مسلمانوں میں اس وقت حضور کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا جو غیر معمولی جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس کی بنا پر اکثر صحابہ کرام بھی اس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ چونکہ نماز میں طول زیادہ تر قرآن کی طویل قرأت ہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تہجد کی نماز میں جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ اس سے نماز کی طوالت میں آپ سے آپ تخفیف

Marfat.com

ہو جائے گی۔

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری کے علاوہ ان دونوں کاموں کو نمازِ تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقے سے روزی کمانے اور جہاد فی سبیل اللہ کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔

اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ یہ خدا کو قرض دینے کے برابر ہے۔

اَعْظَمَ اَجْرًا۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیجا ہے وہ تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا میں روک رکھا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا مَالُ اَحَدِكُمْ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔

"تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا ہے اور جو کچھ تم نے روک لیا وہ تو وارث کا مال ہے۔"

٭

Marfat.com

# آیاتِ توحید

۱۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا
نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ
بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرہ۔ ۲۵۵)

۲۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (المائدہ۔ ۷۳)

۳۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ
عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (التوبہ۔ ۳۱)

۴۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (النحل۔ ۵۱)

۵۔ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۲)

۶۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (المزمل: ۹)

۷۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ
یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص)

Marfat.com

# عقیدۂ توحید اور اُس پر دلائل

روس کا مشہور ادیب و فلسفی ٹالسٹائی مذہب سے منحرف ہونے کے بعد جب دوبارہ ایمان لایا تو اس نے "اے کنفیشن" A CONFESSION کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں وہ ایک مقام پہ لکھتا ہے۔

"نوعِ انسانی کسی نہ کسی ایمان کے سہارے جی رہی ہے اور اسی سے منزل کا تعین ہوتا ہے۔ انسانی نفس کی گہرائیوں میں ایک لامحدود فیاض اور بے مثال خدا کا تصور موجود ہے۔ جس سے رابطہ قائم ہونے کے بعد دِل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ خدا سے منحرف ہونے کے بعد ایک شام ایک حسین جنگل میں تنہا پھر رہا تھا۔ ہر طرف سے پُر اسرار آوازیں میرے کانوں میں موسیقی انڈیل رہی تھیں۔ رنگ برنگی چڑیاں شاخوں پر پھدک رہی تھیں اور حسنِ فطرت پھوار کی طرح برس رہا تھا، اور یہ مناظر دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس بے پناہ حُسن، موسیقی، مستی اور سرُور کا کوئی نہ کوئی خالق ہونا چاہیئے اور یوں میں تین سال بھٹکنے کے بعد پھر خدا پر ایمان لے آیا اس ایمان سے مجھے کائنات کے ہر تغیر کی توجیہہ مل گئی۔ حریم دل میں بجھی شمع پھر فروزاں ہوگئی جس کے اجالوں سے تشکیک و اضطراب کی ظلمتیں کافور ہوگئیں اور مجھے یہ احساس ہوا کہ میں بیک وقت زمین پر بھی ہوں اور آسمان پر بھی۔"[1]

کائنات بہت حسین ہے۔ اس میں حسُن کے دریا بہہ رہے ہیں اسے دیکھنے کے لئے ایک خاص نظر چاہیئے۔ اگر نیلی فضاؤں، اودی گھٹاؤں، سبزہ زاروں، کہساروں

---

[1] نفسیات و روحانی واردات صد ۲۷۔

Marfat.com

سمندروں، ساحلوں، لہلہاتی کھیتیوں اور مسکراتی ہوتی کلیوں میں اللہ نظر نہیں آتا تو پھر وہ جنت میں بھی نظر نہیں آسکے گا۔

**نظام کائنات**:۔ انگلستان کا ایک ماہرِ طبیعات جارج ارل ڈیوس کہتا ہے:۔

"میں مدت سے کائنات کے پیچیدہ نظام کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک ذرے سے لے کر آفتاب تک ہر جگہ ایک حیرت انگیز نظم و نسق پایا جاتا ہے۔ روشنی کی ہر شعاع، قطرۂ شبنم کی ہر لرزش اور ہر کیمیائی و فطری تغیر پابند آئین ہے۔ یہ امر ناقابلِ تصور ہے کہ یہ نظم و ضبط اور یہ ترتیب کسی ناظم کے بغیر خود بخود وجود میں آگئی۔ انسانی بدن میں کان، آنکھ، دل جگر اور دماغ اس قدر پُر اسرار اور پیچیدہ مشینیں ہیں کہ انسان انھیں سمجھ تک نہیں سکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا خالق کون ہے، جواب ایک ہی ہے۔ "اللہ"[1]

انگلستان کا ایک اور فاضل ڈاکٹر ایبر سولڈ کہتا ہے۔

"اس کائنات میں نظم و ترتیب اور حکمت و صناعی کے یہ حیرت انگیز مظاہر کسی حادثے یا اتفاق کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ایک بے مثل خالق اور عظیم مدبر کی تخلیق ہیں۔ جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز میں یہ خیال تھا کہ سائنس بہت جلد عقل و شعور کے سرچشموں کے متعلق مکمل علم حاصل کر لے گی، لیکن جوں جوں میرے علم میں اضافہ ہوتا گیا یہ حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہوتی گئی کہ انسانی علم ان ماورائی حقائق کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔"[2]

---

[1] خدا موجود ہے صہ ا۔ [2] خدا موجود ہے صہ ۲

واقف نہیں[1]۔

کائنات پر ایک چھچھلتی سی نظر ڈالنے کے بعد ذہن میں کئی سوالات اُبھرتے ہیں

ا۔ زمین پر جانوروں کی لاکھوں انواع آباد ہیں ان کی شکلیں، آوازیں، عادتیں اور رنگ ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہیں؟

ب۔ لومڑی کے بطن سے لومڑی کیوں پیدا ہوتی ہے خرگوش کیوں نہیں؟

ج۔ عقل و شعور کی دولت صرف انسان کو کیوں ارزانی ہوئی؛ اور باقی تمام کائنات اس سے کیوں محروم رہ گئی؟

د۔ کائنات میں حرارت و برودت کا توازن کس نے قائم کیا؟

ہ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی مطبع میں ایک دھماکے سے کوئی ضخیم کتاب یا لغات تیار ہو کر باہر آ پڑے؛ اگر یہ ممکن نہیں تو پھر کا سماتی دھماکوں سے یہ کتابِ کائنات جس میں ان گنت حقائق مرقوم ہیں کیسے وجود میں آ گئی؟

مغرب کے ایک طبیعی رابرٹ کار کا قول ہے۔

"اے میرے آقا! جب میں ان حسین دنیاؤں کو دیکھتا ہوں جو تیرے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کی ہیں، جب میں ان جھلملاتے تاروں، نشیلی گھٹاؤں اور نیلی فضاؤں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری روح بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ اے رب! تو کتنا عظیم ہے[2]"۔

مشہور جرمن فلاسفر کانٹ (۱۸۰۴ء - ۱۷۲۴ء)

"دو ایسی چیزیں ہیں کہ میں ان پر جتنا غور کرتا ہوں اتنی ہی میری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ ایک یہ تاروں بھرا آسمان۔ دوسرا وہ عظیم اخلاقی اصول جن پر زندگی کی عمارت قائم ہے[3]"۔

---

[1] خدا موجود ہے صفحہ ۲- [2] خدا موجود ہے صفحہ ۲۲۰ - [3] خدا موجود ہے۔ صفحہ ۲۴۰۔

Marfat.com

دلیل حرکت :۔ کائنات کا ہر ذرّہ متحرک ہے۔ حرکت محرک کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یہی محرک اشیاء کی رفتار، سمت اور منزل متعین کرتا ہے۔ حرکت کی علت یہی ہے اور علّت ہمیشہ معلول سے مقدّم ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں جو اپنے وجود کی علت خود ہو۔ ورنہ وہ اپنے آپ سے مقدّم ہو جائے گی اور یہ محال ہے، چونکہ کائنات میں حرکت و تخلیق ازل سے قائم ہے اور ابد تک رہے گی اس لئے ہمیں ایک ایسی علت کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جو دائم و قائم ہو۔

☆اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ (البقرہ۔ ۲۵۵)

"اللہ کے سوا کوئی اور ذات عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ زندہ اور قائم ہے نہ اُسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے"۔

دنیا کی ہر چیز دو عدموں میں محصور ہے۔ ایک عدم پیدائش سے پہلے تھا اور دوسرا موت کے بعد ہو گا۔ پہلے عدم میں ایک ایسے خالق کا وجود ضروری ہے۔ جو تخلیق کا باعث ہو۔ کیونکہ کوئی معدوم کسی وجود کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (النمل ۶۴)

"بھلا وہ کون ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے؟ وہ کون ہے جو زمین و آسمان سے تمہیں رزق پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا اور خدا بھی ہے؟ انہیں کہیئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو"۔

اللہ ایک ایسی ہستی ہے۔ جو ہر تخلیق اور تکوین پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس حقیقت پر لاتعداد شہادتیں موجود ہیں کہ وہ ہماری دعائیں سنتا اور مصائب میں ہماری مدد کرتا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی ساری کائنات کو زندگی دے رہی ہے اسی طرح

Marfat.com

وہ علتِ اولیٰ اور روح اعلیٰ تمام دنیاؤں پر حیات و توانائی کا مینہ برسا رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ م بِنَاصِیَتِھَا (ھود۔۵۶)

"زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اسے چوٹی سے پکڑے ہوتے ہے"۔

سورۃ الملک کی تیسری اور چوتھی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ہ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ ہ

ترجمہ:۔"تم خدائے رحمٰن کی صفت کے اندر کوئی کسر نہ پاسکو گے اپنی نگاہ دوڑاؤ کیا پاتے ہو کوئی رخنہ پھر بار بار نظر دوڑاؤ تمہاری نگاہ تھک کر پلٹ آتے گی لیکن کوئی رخنہ نہ پا سکے گی"

کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خالق سے ہم آہنگ نہ ہو اور حکم خدا کے سامنے سرنگوں نہ ہو۔

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ہ (الرعد۔۱۵)

ترجمہ:۔"جتنی بھی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا زبردستی خدا کے آگے سجدہ کرتی ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں"

ذرا اللہ کے تصور میں ڈوب کر دیکھئے۔ آپ کو ہر معاملہ میں اس کا ہاتھ نظر آئے گا۔ اس سے ہم کلامی کا احساس ہوگا۔ وہ سانس سے بھی زیادہ قریب نظر آئے گا۔ اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ اس کے اندر رہ کر زندہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

Marfat.com

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل۔ ۶۲)

ترجمہ:۔"کون بے قرار کی دُعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے۔"

ے
دیر و حرم کی کشمکش ہو گی کہیں یہاں نہیں
تری قیام گاہ سے آگے کوئی جہاں نہیں (انجم بدایونی)

یورپ کے ایک فلسفی کا قول ہے۔

"کائنات میں سب سے بڑا معمہ انسان ہے اور اس سے بڑا معمہ اس کا دماغ جو ذہانت، شعور، تجسس، حافظہ، فکر اور خرد کے اوصاف سے آراستہ ہے، سوال یہ ہے کہ ان اوصاف کا خالق کون ہے؟ جواب ہے کہ وہ رب ہے جسے دل نے تو ہمیشہ پہچانا لیکن خرد اس سے عموماً غافل رہی۔"

جیسا کہ اقبال فرماتے ہیں۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف

ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ (ق: ۳۷)

ترجمہ:۔"بے شک اس کے اندر یاد دہانی ہے۔ اس کے لئے جس کے پاس بیدار دل ہو یا وہ پوری طرح متوجہ ہو کر بات سُنے۔"

بقول شاعر۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا ہوں تیری پہچان یہی ہے

Marfat.com

عقل وشعور کس ماخذ سے حاصل کرے گا۔ بدن کا نہایت پیچیدہ مواصلاتی نظام کیسے تیار کرے گا، جگر، گردے و دِل کیسے بنائے گا، اور شریانوں کا حیرت انگیز جال کیسے بچھائے گا؟ امریکہ کے ایک سائنس دان کا قول ہے۔

"اگر کائنات اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ ایک نرالا خدا ہے جو بیک وقت مادی بھی ہے اور مافوق الفطرت بھی۔ ایسے مہمل تصور کو اپنانا ناممکن ہے"[1]

**نباتات کا اعجاز** :- پھولوں کے ایک ننھے سے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک نباتات کی کروڑوں اقسام ہیں، ان میں سے کچھ باغوں کی آرائش ہیں کچھ ہماری غذا ہیں، اور کچھ متاعِ حیات۔ یہ سب ایک ہی زمین سے اُگتی، ایک ہی پانی سے نشو ونما پاتی ہیں۔ لیکن کمالِ تخلیق دیکھئے کہ سب کی حیثیت، رنگ، قامت، تاثیر، بُو اور ذائقہ الگ ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (الرعد-۴)

ترجمہ:- "زمین میں پاس پاس ایسے قطعات ہیں جن میں کہیں کھیتی، کہیں انگور اور کہیں کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایک جڑ سے نکلتے ہیں اور کچھ الگ جڑوں سے، ان سب کی پرورش ایک ہی پانی سے ہوتی ہے۔ لیکن ان کے ذائقے الگ الگ ہیں۔ ان باتوں میں اربابِ دانش کے لئے کتنے ہی اسباق وشواہد ہیں"

درخت اپنے پتوں کے دامن ہوا اور سورج کے سامنے پھیلا کر زندگی کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کی جڑیں بطنِ زمین سے پانی اور غذا حاصل کر کے بلند ترین شاخوں تک

[1] EVIDENCE OF GOD. ص ۱۷

پہنچاتی ہیں اور پھلوں میں رس، شیرینی اور خوشبو بھرتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ اتفاق سے ہو رہا ہے؟ اور اس نظام کے پیچھے ایک ہمہ گیر، ہمہ دانش اور ہمہ بین آنکھ کارفرما نہیں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر-۲۱)

ترجمہ:- "تمام اشیاء کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں نازل کرتے ہیں۔"

کائنات میں بقائے حیات کے انتظامات اس قدر مکمل اور مسلسل ہیں کہ اسے حسن اتفاق کہنا کم نظری ہے۔ کیا زمین کا یہ حجم، یہ جھکاؤ، یہ رفتار، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ سلسلہ لیل و نہار، گردش موسم، یہ سورج، یہ ہوا، یہ قوت روئیدگی، یہ گھٹاؤں کا حیرت انگیز نظام اور یہ ازہار و اثمار کی حسین دنیا محض اتفاقات ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (النمل ۶۰-۶۱)

ترجمہ:- "بتاؤ کہ زمین و آسمان کو کس نے بنایا؟ ہم نے آسمان سے مینہ برسایا۔ اور اس سے حسین باغ اگائے۔ ان درختوں کو اگانا تمہارے بس کی بات نہیں تھی۔ کیا اللہ کا کوئی اور شریک بھی ہے؟ یہ لوگ سچائی سے بے وجہ بھاگ رہے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں چلائیں اور کوہسار نصب کئے اور دو سمندروں کے درمیان خشکی کو حائل بنا دیا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ان انتظامات میں شریک

Marfat.com

ہے. بے شک انسانوں کی اکثریت خدا کو نہیں جانتی"۔

نباتات کی بقاء کا انحصار کاربن پر ہے۔ درختوں کے پتے ہوا سے کاربن اور آکسیجن کا آمیزہ لے کر کاربن پاس رکھ لیتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو حیوانات مرجاتے اور حیوانات کاربن خارج نہ کرتے تو پودے سوکھ جاتے۔ نائٹروجن حیوانی و نباتاتی حیات کا لازمی جزو ہے۔ یہ دونوں طریقوں سے زمین میں داخل ہوتی ہے۔

د۔ خورد بینی اجرام یا بکٹیریا کے ذریعے جو زمین کی بالائی تہہ میں رہتے ہیں اور کوڑا کرکٹ وغیرہ کھا کر ایک ایسا رس تیار کرتے ہیں جس میں نائٹروجن بہت زیادہ ہوتی ہے نصف چھٹانک زمین میں ان کی تعداد ایک کھرب پینتیس ارب کے قریب ہوتی ہے اور زمین کے ہر ایکڑ میں ان کا کام بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ ایک سو ایکڑ کھیت میں اگر کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔

غور فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصہ ہے اور اللہ کا کتنا! اللہ عزوجل نے خود ہی سوال فرمایا ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (الواقعہ ۶۳، ۶۴)

ترجمہ:۔ کیا تم نے اپنی کھیتی پہ کبھی غور کیا زراعت کون کرتا ہے تم یا ہم؟

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

(عبس ۲۴-۳۲)

ترجمہ:۔ "انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے (کہ کہاں سے آتی ہے)، ہم نے

Marfat.com

برسایا اور زمین کا سینہ چیر کر اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ، میوے اور چارہ پیدا کیا یہ سب کچھ تمہارا اور تمہارے مویشیوں کا متاعِ حیات ہے۔

ب۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش اسے زمین پر لے آتی ہے۔

**انقلاباتِ حیات**:۔ زندگی ہزارہا انقلابات سے گزری ہے۔ کسی زمانہ میں سمندر سے وسیع براعظم ابھرے تھے اور پھر اسی میں ڈوب گئے۔ زلزلوں سے بلند کوہساروں نے جنم لیا، چقماق، کھریا اور چونے کے پہاڑ اس زمانے کی داستان سنا رہے ہیں جب ان کی چوٹیوں پر سمندر موجزن تھے، کوئلہ، گیس اور تیل اس دور کے شاہد ہیں، جب زمین نے آفتاب سے توانائی و حرارت مستعار لے کر اپنے سینے میں چھپالی تھی ان تمام انقلابات کے پیچھے ایک ایسا دماغ کار فرما ہے جو بے جان لوتھڑے سے انسان تراشتا، پھولوں میں رنگ بھرتا، پھلوں کو رس اور روپ عطا کرتا، چشموں کو خرام اور عنادل کو موسیقی سکھاتا ہے۔

انگلستان کے مشہور ماہر طبیعات RISOLIDER (۱۸۵۱ء - ۱۹۱۳ء) کا قول ہے۔

"The Universe is ruled by a mind it may be a mind of a mathematician or of any artist or of a poet are all of them. It is the only reality which gives meaning to existence, energises us with faith wherever knowledge fails"

**عقل کی طاقت**:۔ ساری کائنات میں تنہا انسان ہی عقل کا مالک ہے۔ اور باقی تمام اشیاء مثلاً حیوانات، نباتات، احجار وغیرہ بے عقل ہیں۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ عقل تمام دیگر اشیاء پر غالب ہے اور انھیں حسبِ منشاء استعمال کر رہی ہے یہ کائنات

---

-GREAT DESIGN P-233

Marfat.com

من حیث المجموع بے عقل ہے اسے رواں دواں رکھنے کے لئے ایک ایسی ہستی کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا جو سراپا دانش یا عقل کُل ہو۔

**سکونِ قلب**:۔ ہر دور کے فلسفی، صوفی اور شاعر نے ایک ہی بات کہی ہے کہ سکون کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے اور جب تک کوئی شخص رحمتِ ایزدی کی بے کراں وسعتوں میں اپنا مسکن نہ بنالے اسے چین نہیں مل سکتا۔ عصرِ رواں کی شدید روحانی اذیّت اور اضطراب کا سب سے بڑا سبب اللہ سے روابط کا انقطاع ہے۔ نسلِ نو کا خیال یہ تھا کہ جنسی آزادی، عیّاشی، مادی اور سائنسی عروج اور ناؤ نوش سے وہ مسّرت پالے گی لیکن وہ ناکام رہی کیونکہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ جسمانی و حیوانی لذّات سے روح میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح کا قول ہے۔

"Know you not that the kingdom of Heaven is within you"

ارشادِ ربانی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ (الانعام:۸۲)

"جو لوگ خدا پہ ایمان لاتے اور ان کا ایمان گناہ سے آلودہ نہیں ہوا انھیں امن و سکون کی نعمت ملے گی۔"

خدا پر ایمان صرف عقلی دلائل سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ کائناتی علم، روحانی واردات و مشاہدات کے اشتراک سے جنم لیتا ہے۔ آج کا سائنس دان ایک عجیب مقام پر رُکا ہے۔ وہ نہ تو وجودِ کائنات کی کوئی توجیہہ پیش کر سکتا ہے اور نہ وہ دانشِ اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ایسے شعور، احساس اور فکر کے سرچشمے کو ضرور محسوس کرتا ہے جسے روحِ اکبر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ انسان کی روح اسی روحِ اکبر

Marfat.com

کو پکارتی آرہی ہے۔

(۶) **جمالِ کائنات**:۔ کائنات کتنی حسین ہے، یہ اودی گھٹائیں، یہ ہفت رنگ دھنک، یہ کہکشاں، یہ نیلگوں فضائیں، سبک خرام ہوائیں، گنگناتے چشمے، لہراتی ہوئی ندیاں، شاداب وادیاں، صحرا میں بھیگتے ہوئے بھر بھرے ٹیلے، پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں، ہرنوں کے ریوڑ اور کونجوں کے ڈار وہ دلربا مناظر ہیں جو اپنے جلیل و جمیل خالق کے وجود پر بشارت دے رہے ہیں، اگر ایک تصویر مصور کے بغیر نہیں بن سکتی تو عرش سے فرش تک پھیلی ہوئی یہ وسیع و عریض کائنات کسی خالق کے بغیر کیونکر وجود میں آسکتی ہے؟

"قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ، قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (المؤمنون، ۸۷-۸۶)

"ان سے ذرا پوچھئے کہ سات افلاک اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ پھر ان سے کہئے کہ تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں"

(۷) **پرندوں اور مچھلیوں کی ہجرت اور سفر**:۔ پرندوں کی کتنی قسمیں ہیں جو موسم بدلنے پر ہزارہا میل دُور چلی جاتی ہیں اور موسم کی تبدیلی پر واپس آتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس دوہرے سفر میں چند گز بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتیں، بٹیریں سائبیریا سے اور مرغابیاں شمالی برفستانوں سے، مچھلیوں میں سے دو قسم کی مچھلی کا سفر حیرت انگیز ہے، سامن یہ ایک ندی میں پیدا ہوکر دریا اور پھر سمندر میں جاتی ہے۔ جب مدتوں رہنے کے بعد موت محسوس ہو تو واپسی کا سفر شروع کرکے مقامِ پیدائش پر آجاتی ہے۔

دوم ایل مچھلی، یہ کسی ندی میں ہو یا دریا میں، جوان ہوکر اپنے وطن سے چل پڑتی ہے اور ہزاروں میل دور جزائر برمودا (اوقیانوس) میں چلی جاتی ہے۔ وہاں بچے دے کر مر جاتی ہے۔ یہ بچے وہاں سے چل کر اپنی ماں کے دیس پہنچ جاتے ہیں، بتاؤ ان پرندوں

Marfat.com

اور مچھلیوں کا رہبر کون ہے؟

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ (النمل-۶۳)

"بھلا وہ کون ہے جو بحر و بر کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھاتا ہے اور رحمت کی بشارت دینے کے لئے ہوائیں چلاتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟"

**شہادت افلاک**:- ہمیں اپنی آنکھ سے صرف چھ ہزار ستارے نظر آتے ہیں۔ ان میں چاند، سورج اور نظام شمسی کے دیگر ستارے بھی شامل ہیں۔ آفتاب کے گرد گھومنے والے نو بڑے سیارے سورج سے کتنے دور ہیں۔ ان کا قطر اور حجم کیا ہے؟ اور رفتار گردش کیا؟ اس جدول میں دیکھئے۔

| سیارہ | سورج سے فاصلہ | گردش اپنے گرد | گردش سورج کے گرد | قطر | زمین کے حجم سے مقابلہ |
|---|---|---|---|---|---|
| عطارد | تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل | ؟ | ۸۸ دن | ۳۰۰۰ دن | ۰٫۰۴ |
| زہرہ | چھ کروڑ بہتر لاکھ میل | ؟ | ۲۲۴٫۷ دن | ۷۶۰۰ میل | ۰٫۸۱ |
| زمین | نو کروڑ انتیس لاکھ میل | گھنٹے منٹ ۲۳-۵۶ | ایک سال | ۷۹۳۰ " | ۱٫۰۰ |
| مریخ | چودہ کروڑ پندرہ لاکھ میل | ۲۴-۳۷ | ایک سال ۸۸ دن | ۴۲۰۰ " | ۰٫۱۱ |
| مشتری | اڑتالیس کروڑ تیس لاکھ میل | ۹-۵۰ | ۱۱ سال ۸۸ دن | ۸۶۷۰۰ " | ۳۱۷٫۹ |
| زحل | اٹھاسی کروڑ ساٹھ لاکھ میل | ۱۰-۱۴ | - | ۷۱۵۰۰ | ۹۴٫۹ |
| نیپچون | دو ارب اناسی کروڑ تیس لاکھ | ۱۵-۴۸ | ۸ سال ۱۶۴ دن | ۲۸۰۰۰ " | ۱۷٫۲ |
| پلوٹو | تین ارب سرسٹھ کروڑ میل | ؟ | ۷ سال ۲۴۷ دن | ۳۶۰۰ میل | ۰٫۸۳ [له] |

سورج زمین سے تین لاکھ تینتیس گنا بڑا ہے۔ اس کی وسعتوں میں دس لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ اس کی وجہ سے ایک آدمی کا وزن سورج پر ۳۴ ۵ گنا ہو جاتا ہے۔ ان تفاصیل

له MIRACLE OF LIFE-
P-355-359-

Marfat.com

کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہن میں تین سوال ابھرتے ہیں۔

و۔ افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا، کروڑوں ستاروں کے قمقمے کس نے فروزاں کئے۔

ب۔ ہمارے ہاں بے شمار انتظامات اور سائنسی آلات کے باوجود ریل گاڑیاں، بسیں طیارے، آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ لیکن آسمانوں کے مہیب برق رفتار اور اربوں ٹن وزنی کروں میں آج تک تصادم نہیں ہوا۔ اس کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہے؟

ج۔ بتی میں تیل نہ ڈالو تو دیا بجھ جاتا ہے۔ برقی پلانٹ بند ہو جاتے تو تاریکی پورے شہر کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ آسمانی روشنیوں کا انتظام کون کس طرح کر رہا ہے کہ آج تک اس میں ذرہ بھر فتور پیدا نہیں ہوا۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (الملک۔۳)

"کائنات کو بار بار دیکھو، کیا تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے"

یہ امر ناقابل قیاس ہے کہ یہ سب کچھ بغیر نظام کے چل رہا ہے

**انسانی بدن کا مواصلاتی نظام**:۔ انسانی بدن میں ایک نہایت پیچیدہ مواصلاتی نظام کام کر رہا ہے۔ اس کا مرکز دماغ ہے۔ جس میں ایک ارب سیل CELLS ہیں۔ ان سے بہت سے باریک تار نکل کر تمام جسم میں پھیلے ہوتے ہیں جو ہر حصہ جسم کی ہر خبر آناً فاناً دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ اگر پاؤں پر کیڑا چڑھ جاتے تو دماغ کو فوراً اطلاع ملتی ہے اور دماغ ہاتھ کو اسی وقت ہٹنے کا حکم دیتا ہے۔ ہماری زبان دماغ کے ساتھ تین ہزار تاروں سے منسلک ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین ہزار ذائقوں سے حظ اندوز ہو سکتی ہے۔ ہمارے کان میں ایک لاکھ سماعتی سیل ہیں۔ آنکھ میں ایک سو تیس ملین آلاتِ بینائی ہیں اور جلد میں اڑھائی لاکھ ایسے سیل ہیں جو سردی، گرمی، نرمی اور سختی کی خبر دیتے ہیں۔ کائنات میں دانش و حکمت کے اس قدر پہلو ہیں کہ اگر ہم ان تمام کی فہرست تیار کرنے

Marfat.com

بیٹھیں تو یہ کام ابدالآباد تک ختم نہ ہو۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ (لقمان۔ ۲۷)

"اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں، سمندر سے سیاہی کا کام لیا جاتے اور بعد ازاں سات اور سمندر بھی اس میں ملا دیئے جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہونگی"

**ابتدائی خلیہ** :۔ ابتدائی خلیہ کو انگریزی میں امیبا کہتے ہیں۔ یہ سادہ ترین اور اوّلین زندہ مخلوق ہے۔ یہ صرف خورد بین سے نظر آتا ہے اور سمندروں میں ملتا ہے تمام جاندار اسی کی ارتقائی صورت ہیں۔ انہی خلیوں سے دل، دماغ، جگر، کان، زبان اور دماغ بنا۔ دنیا کے تمام سائنسدان مل کر بھی ایک کان یا دل نہیں بنا سکتے۔

ایک سائنس دان پکار اٹھا

"He Who Planted ears shall He not hear"

**جذبات** :۔ انسانی جذبات ایک نہایت پیچیدہ و پُر اسرار تخلیق ہیں۔ زندگی میں دلربائی و رعنائی انہی کی وجہ سے ہے، سوچیئے کہ اگر انسان محبت، مسرت، رحم، وفا خواہش، انتظار، حیا اور غصہ و نفرت کے جذبات سے محروم ہوتا تو زندگی کس قدر بے کیف و بے مزہ ہوتی۔ ان جذبات کا منبع اور مصدر دل ہے اور اس کا خالق اللہ عزوجل۔

قُلْ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝ (الملک، ۲۳)

"انھیں کہہ دو کہ اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، کان، آنکھ اور دل کی نعمت سے نوازا۔ لیکن تم ان نعمتوں کا بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو"

**اعجاز وراثت** :۔ کائنات میں جانوروں کی کروڑوں قسمیں ہیں، ہر ایک کی ہیئت

GREAT DESIGN- P-158

Marfat.com

عادات وخصوصیات دوسری سے الگ ہیں، یہ خصوصیات پُراسرار طریقوں سے ان کی اولاد میں منتقل ہو رہی ہیں۔ ہرن کا بچہ ہرن اور گیدڑ کا بچہ گیدڑ بنتا ہے۔ کبوتر کے انڈے سے کبوتر اور کوے کے انڈے سے کوا نکلتا ہے۔ ماہرین حیات نے طویل تجربہ و مشاہدہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ خون کے چند خورد بینی اجرام والدین کی خصوصیات کو اولاد میں منتقل کرتے ہیں۔ اور یہ کرہ موسوم CHROMOSOMES کہلاتے ہیں وراثت کا یہ سلسلہ اتنا ہمہ گیر اور اٹل ہے کہ اس کی زد سے بچ نکلنا مشکل ہے۔

**اندھے بچے** :۔ بعض بچے پیدائشی اندھے ہوتے ہیں، ماہرین جنین کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں کسی حادثے کے سبب بچہ اندھا ہو جاتا ہے اور کسوف و خسوف سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰے سراپا رحمت ہے وہ کسی سے نظر نہیں چھینتا۔ دیکھتے نہیں کہ کائنات میں ہر طرف عدل ہی عدل ہے۔ کائنات کی بنیاد خیر پہ رکھی گئی ہے۔

درحقیقت ایمان بالغیب ہی وہ سرحد ہے جس سے گزر کر انسان "انسان" بنتا ہے کیونکہ حیوان اپنے محسوسات سے ماوراء کا ادراک نہیں کر سکتا، جب کہ انسان کو یہ ادراک حاصل ہے کہ کائنات رنگ و بو کے ان محسوسات سے ماوراء بڑی وسیع اور پھیلی ہوئی ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس وسیع کائنات کے پس پردہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کے حکم پر اس کائنات کا نظام چل رہا ہے، اور وہ عظیم حقیقت خود ذاتِ الٰہی ہے۔ جو نگاہوں سے ماوراء۔ اور عقل کی جولانگاہ سے بہت دور ہے ایمان بالغیب کا عقیدہ انسان کی محدود فکری قوتوں کو غیر ضروری کاوشوں میں ضائع ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

کائنات میں مخلوقِ خدا کی معلوم تعداد دس کھرب ہے یا اس سے زیادہ۔ ان کے

MIRACLE OF LIFE P-340

Marfat.com

متعلق یہ سوچنا کہ یہ سب اچانک یا اتفاقاً پیدا ہو گئیں اور ہر مخلوق از خود اتفاقاً مکمل ہو گئی۔ قانون اتفاق کی رو سے سراسر باطل ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ اتفاق بھی ایک حقیقت ہے۔ لیکن اتفاقات اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی، یہ عجیب بات ہے کہ کائنات میں صرف اچھے اتفاقات استعمال ہوتے اور برے اتفاق کو چھوا تک نہیں گیا تخلیق و تکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد انگلستان کے ایک ماہر طبیعات ولیم میکرانڈ نے کہا تھا۔

"Can anyone seriously suggest that this directing and regulating lower originated in chance encounter of atoms? Can the stream rise higher than its fountain?"

"کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہو گئی ہے، کیا کوئی چشمہ اپنے منبع سے بلند تر سطح پر بہہ سکتا ہے"؟[1]

مغرب کے ایک طبیعی ہیکل HEIKLE نے کہا تھا کہ مجھے ہوا، پانی اور فلاں فلاں کیمیاتی اجزا دے دو۔ میں انسان بنا دوں گا۔ لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ زندگی یا روح کہاں سے لائے گا؛

ارض و سما کی ہر چیز ممد حیات ہے، سمندر بادل بنا رہے ہیں، پہاڑ ہواؤں کو روک رہے ہیں، سورج پھل پکا رہا ہے اور چاند پھلوں میں رس ڈال رہا ہے، جب کائنات میں کہیں بھی شر موجود نہیں تو پھر کسی بیکار آدمی کے افلاس، پیدائشی اندھے پن یا گناہ کے نتائج کو خدا کی طرف منسوب کر کے اسے ظالم کہنا کم نظری اور سطحیت کی انتہا ہے۔

**اعجاز انہضام:۔** انسان کا نظام ہضم اتنا پیچیدہ اور حیرت انگیز ہے کہ صدیوں

---

[1] فرانسس میسن۔ گریٹ ڈیزائن صفحہ ۱۵۸

Marfat.com

کے مشاہدہ و تجربہ کے باوجود ماہرین ابدان اسے سمجھ نہیں سکے۔

جب غذا منہ میں پہنچتی ہے تو پہلے دانت اسے چباتے ہیں، پھر چھ گلینڈ اس میں لعاب داخل کرتے ہیں، ان میں سے ایک جوڑا کانوں کے نیچے، دوسرا زبان کی جڑ میں اور تیسرا نچلے جبڑے کے نشیب میں ہے۔ ان سے ایک سیر لعاب روزانہ خارج ہوتا ہے۔ لعاب میں ایسے کیمیائی عناصر شامل ہیں جو غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں پھر جگر اس پر تیزاب نچوڑتا ہے اس کا روزانہ اخراج اڑھائی پونڈ کے قریب ہے۔ اس کے بعد یہ غذا پتلی ہو کر انتڑیوں میں پہنچ جاتی ہے۔ سیاہی چوس کی طرح انتڑیوں کی سوراخ دار اور کھردری دیواریں، نشاستہ، حیاتین اور دیگر مفید اجزاء کو چوس کر خون میں پہنچا دیتی ہیں اور ناکارہ مواد باہر پھینک دیتی ہیں، دستِ غیب کا کمال دیکھئے کہ ہر حصہ جسم تک غذا کا وہی جزو پہنچاتا ہے جس کی وہاں ضرورت ہے۔ مثلاً ناخن وہی عناصر قبول کرتے ہیں جن سے ناخن بڑھیں۔ یہی حال دانتوں، بالوں، ہڈیوں اور پٹھوں کا ہے۔ یہ نظام اتنا مکمل اور بے عیب ہے کہ وہ دستِ غیب نظر آجاتے تو جبینیں اس کے سامنے سجدہ ہائے نیاز کا انبار لگا دیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الجاثیہ۔۶)

"اللہ کی ہستی پر یہ محکم دلائل ہم تمہاری راہنمائی کے لئے بیان کر رہے ہیں یہ لوگ خدا اور اس کی آیات (براہین و شواہد) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے"

خدا کہاں سے آیا۔ منکرین خدا کا موقف یہ ہے کہ شے خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ بایں دلیل کہ اگر خدا کا خالق کوئی نہیں تو دیگر اشیاء کا کیوں ہو؟ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہمارا دائرہ فہم و ادراک بہت محدود ہے۔ اس کائنات میں ایسے لاتعداد حقائق

MIRACLE OF LIFE P-339

Marfat.com

موجود ہیں جن کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، ہمارے جسم پر بال کیسے اُگتے ہیں؟ ناخن کیسے بڑھتے ہیں؟ آنکھ کیسے دیکھتی ہے؟ روح کیا ہے؟ یہ کہاں سے آتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے؟ پہلے انڈا تھا یا مُرغی، اگر مُرغی تھی تو کہاں سے آئی؟ پہلا درخت، پہلا ہرن پہلا پرندہ کہاں سے آیا ہے؟ جب ہماری ناقص عقل ان چھوٹے چھوٹے مسائل کا ادراک نہیں کر سکتی تو کائنات کے سب سے بڑے راز خدا کو کیسے سمجھ سکتی ہے۔

ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ کائناتی آیات و شواہد پر غور کرنے کے بعد ہم ایک ایسی ہمہ دانش ہستی کا وجود تسلیم کر لیں، رہا یہ سوال کہ وہ خالق کہاں سے آیا تھا، اس کے جواب کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ جب آنکھوں سے حجاب اٹھ جائیں گے، ہر حقیقت جلوہ گر ہو گی، اور کوئی راز، راز نہیں رہے گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ (ق ۲۲-۲۰)

"فرشتوں نے ناقوس پھونکا اور روزِ وعید (قیامت) طلوع ہو گیا، ہر فرد محشر میں بایں حال وارد ہو گا کہ اس کے ہمراہ ایک ہانکنے والا ہو گا، اور ایک گواہ بھی، تم اس صورت حال سے بے خبر تھے، سو آج ہم نے تمام حجابات اٹھا دیتے ہیں، اور اب تمہاری نگاہ بہت تیز ہو گئی ہے"۔

نگاہ کی اس تیزی کا انتظار فرمایئے۔ اللہ کے جامع اور مکمل علم سے نفسِ انسانی میں خوف کی ایک کپکپی دوڑ جاتی ہے۔ انسان بارگاہِ خداوندی میں مجبور کھڑا ہوتا ہے اس کے دل کی گہرائیوں میں آنے والے خیالات اور اس کے نفس کی پہنائیوں میں گزرنے والے تصورات سے اللہ سبحانہٗ واقف ہے وہ ہر اگلی پچھلی بات جانتا ہے اور ہر ظاہر و باطن سے آشنا ہے۔ انسانوں کو صرف اسی قدر علم میسر آیا ہے جتنا خدا نے چاہا

Marfat.com

ہے۔ اس حقیقت پر تامل اور تدبّر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دورِ جدید کا انسان کائنات کے کچھ رازوں سے پردہ اٹھا کر غرۂ ہمہ دانی میں مبتلا ہو چکا ہے۔ جب کہ اصل حقیقت یہ ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (فصلت۔ ۵۳)

"ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں، کائنات اور ان کی اپنی جانوں میں سے"

**مستقبل کا علم:۔** اللہ سبحانہ نے ان امور کو انسان کی نظروں سے اوجھل کیا ہے، جو امور خلافت کے لئے ضروری نہیں، انسان کو آج تک رازِ زندگی کا کوئی علم نہیں، زندگی آج تک ایک سربستہ راز ہے۔ انسان کو مستقبل کا کوئی علم نہیں دیا گیا، اور حال و مستقبل کی درمیانی حدّوں کے درمیان اس قدر دبیز پردہ لٹکایا گیا ہے کہ انسان اس پردے کے ماوراء جھانکنے سے عاجز ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی بلند قامت ہو جائے اور کتنی ہی عظمتیں حاصل کر لے، مگر وہ مقام معبود تک نہیں پہنچ سکتا اور یہی حقیقت اگر قلبِ انسان میں مرتسم ہو جائے تو انسان کبھی سرکشی اور تکبر اختیار نہ کرے۔ اس کے دل میں خدا کا تقویٰ اور خوف رہے۔ اور اس کا شعور اس کی عظمت کے سامنے جھکا رہے اور بہت سے فسادات کی بیخ کنی ہوتی رہے۔

**لا اکراہ فی الدین:۔** اسلام میں جبر و اکراہ اور زبردستی نہیں ہے۔ بلکہ عقیدۂ توحید کو دلوں میں راسخ کرنے کے لئے دینِ اسلام پوری قوت، توانائی اور زور کے ساتھ عقلِ انسانی کو مخاطب کرتا ہے فکر و شعور کو جھنجوڑتا ہے۔ دنیائے وجدان کو بیدار کرتا ہے اور پوشیدہ فطرت سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور انسان کے سارے وجود اور ادراکِ بشری کے تمام پہلوؤں کو مخاطب کرتا ہے اور اس کے سامنے خرقِ عادت معجزے پیش کر کے اسے بلا فہم و شعور قبولِ اسلام پر مجبور کر کے انسانی احساسات کو مقہور نہیں کرتا۔ بیکن نے کہا تھا۔

Marfat.com

"فلسفہ کا تھوڑا سا علم انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے لیکن اس کی گہرائیوں میں اتر کر انسان یکسر خدا پرست بن کر نکلتا ہے۔"

حکیم الامت اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ع فروغِ دانشِ ما از قیاس است
قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است

چو حِس دیگر شد ایں عالم دیگر شد
سکون و سیر و کیف و کم دیگر شد

اللہ کی ذات قرآن میں فرماتی ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (یونس۔۳۶)

"ان لوگوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں ظن و گمان کچھ کام نہیں دے سکتا، یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔"

ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ (یونس۔۳۹)

"نہیں یہ بات نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور جس کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوگا۔"

Marfat.com

اقبال مرحومؒ نے کہا ہے۔

فریب کشمکش عقل دیدنی دارد
کہ میر قافلہ ذوق رہزنی دارد

فرانسیسی سائنس دان پروفیسر لیسر LAISAR کہتے ہیں،

"کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں جس طرح ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں، ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ ہے۔"

ڈاکٹر کامنے ڈونواتے نے اپنی کتاب THE HUMAN DESTINY میں لکھا ہے

"اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمایہ کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ نتائج لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔"

پروفیسر سولیون نے چوٹی کے سائنسدانوں کے افکار کا نچوڑ پیش کیا ہے۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نئی دنیا نے سائنس میں مذہبی نقطہ نظر بھی اتنی ہی محبت اور صداقت کا حامل ہے جتنا سائنسی نقطہ نظر بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نئی سائنسی دنیا کے سب سے بڑے خلاق آئن سٹائن کی نظر میں تو مذہبی فکر ہی سائنسی نقطہ نظر کا ماخذ اور رہبر ہے۔"

استدلالی نقطہ نظر کی ایک اور دلیل مسٹر آرتھر نے اپنی کتاب I BELIEVE میں یوں دی ہے۔

"انسانی دماغ تخلیق کائنات جیسے عظیم سوالات کو حل کرنے کے لئے

---

THE OBSERVER LONDON 13 APRIL 1930

Marfat.com

ایک حقیر سا آلہ ہے ہمیں اس کی مجبوریوں کا اعتراف کرلینا چاہیئے لیکن پھر بھی یہ ہمہ وقت ادراک کرواتا رہتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کس قدر منظم اور مربوط اور فطرت کی نت نئی ایجادات کیسی حیران کن ہیں۔ ہر سمت میں ایک مفید مقصد کار فرما ہے۔ خواہ یہ عامی ہوں یا سائنس دان ہمیں کائنات کے لئے ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا پڑے گا جو نام چاہے اس کو دے دو اور جو شکل چاہے اس کی تجویز کر دو مگر اس کو مانے بغیر مفر نہیں۔"

# توحید کے اثرات انفرادی اور اجتماعی زندگی پر

توحید مجرّد ایک علمی حقیقت بھی ہے۔ انسانی زندگی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی توحید کے تصوّر سے یکسر بدل کر رہ جاتی ہے۔ ان اثرات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

## آزادی و حرّیت

یہ عقیدہ انسان کو آزادی و حریّت کا وہ مقام بخشتا ہے جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے مستحق ہے۔ تمام کائنات انسان کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن جب تک انسان توحید سے آشنا نہیں ہوتا۔ اس وقت تک وہ دنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔ جو اس کی تابعداری اور اطاعت کرتا ہے اور اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا رب اور آقا بناتا ہے۔ غلاموں کی طرح ان کے آگے جھکتا ہے۔ یہاں تک کہ زندوں۔ سے گزر کر مُردوں سے بھی التجائیں کرتا ہے۔ اور ہر چکنے پتھر اور اونچے درخت کو اپنا معبود بنالیتا ہے اپنے شرف اور عزت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

Marfat.com

اس کے برخلاف عقیدۂ توحید انسان کے اندر انتہا درجے کی خودداری اور عزتِ نفس پیدا کر دیتا ہے۔ اس پر یقین کرنے والا جانتا ہے کہ تمام طاقتوں کا مالک خُدا ہے۔ شرک اور کفر کی لازمی خصوصیت یہ ہے کہ انسان مخلوقات کے آگے جُھکے، لیکن توحید اس کی نفی کرتی ہے۔

**تواضع اور انکسار** :- اس تمام خودداری اور عزتِ نفس کے ساتھ یہ عقیدہ انسان میں تواضع وانکسار بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کا قائل کبھی مغرور اور متکبر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے اور خدا جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر بھی قادر ہے۔

**تنگ نظری کا خاتمہ** :- یہ عقیدہ رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا وہ ایسے خدا کا قائل ہے جو زمین وآسمان کا خالق، مشرق ومغرب کا مالک اور تمام جہان کا پالنے والا ہے۔ اس ایمان کے بعد ساری کائنات کی کوئی چیز اسے غیر نظر نہیں آتی۔ وہ سب کو اپنی ذات کی طرح ایک ہی مالک کی ملکیت اور ایک بادشاہ کی رعیت سمجھتا ہے، اس کی ہمدردی، محبت اور خدمت کسی دائرے کی پابند نہیں رہتی، اس کی نظر ویسی ہی غیر محدود ہو جاتی ہے جیسی خود خدا تعالیٰ کی بادشاہی غیر محدود ہے۔ یہ بات کسی ایسے شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی جو بہت سے چھوٹے چھوٹے خداؤں کا قائل ہو۔

**نفس کی پاکیزگی** :- عقیدۂ توحید پر ایمان رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ نفس کی پاکیزگی اور نیک عمل کے سوا اس کے لئے نجات اور فلاح کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ ایک ایسے خدا پر یقین رکھتا ہے جو بے نیاز ہے، کسی سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا بے لاگ عدل کرنے والا ہے اور کسی کو اس کی خدائی میں کوئی دخل نہیں۔

**مایوسی اور شکستہ دلی سے نجات** :- اس عقیدے کا حامل کسی حال میں مایوس

Marfat.com

اور دل شکستہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے، جس کا فضل و کرم بے حد و بے حساب ہے جس کی قوتیں بے پایاں ہیں، یہ ایمان اس کے دل کو غیر معمولی تسکین بخشتا ہے اس کو اطمینان سے بھر دیتا ہے اور ہمیشہ امیدوں سے لبریز رکھتا ہے، چاہے وہ دنیا کے تمام دروازوں سے ٹھکرا دیا جاتے، سارے اسباب کا رشتہ ٹوٹ جاتے اور وسائل اور ذرائع ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ پھر بھی ایک خدا کا سہارا کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے بل بوتے پر وہ نئی امیدوں کے ساتھ کوشش پر کوشش کتے چلا جاتا ہے۔ جب کہ کفار و مشرکین مشکلات سے گھبرا کر خودکشی تک کر لیتے ہیں۔

## قناعت و بے نیازی

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

عقیدۂ توحید انسان میں قناعت اور بے نیازی کی شان پیدا کر دیتا ہے حرص و ہوس اور بغض و حسد کے رکیک جذبات اس کے دل سے نکال دیتا ہے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ناجائز اور ذلیل طریقے اختیار کرنے کا خیال تک اس کے ذہن میں نہیں آتا وہ سمجھتا ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے زیادہ دے جس کو چاہے کم دے، عزت، طاقت، ناموری سب خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ دینا چاہے تو کوئی طاقت دلوا نہیں سکتی۔ مسلمان رشوت، سازش، خوشامد سے بے باک اور مبرا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

# عزم و حوصلہ اور صبر و توکل کی عادت

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز (اقبالؒ)

یہ عقیدہ انسان میں عزم و حوصلہ اور صبر و توکل کی زبردست طاقت پیدا کرتا ہے۔ صبر و توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مومن کوشش اور سعی چھوڑ دیتا ہے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ اچھے مقاصد کے لئے سعیِ پیہم اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے، وہ جب دنیا میں بڑے کام انجام دینے کے لئے اٹھتا ہے تو اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ میری پشت پر زمین و آسمان کے بادشاہ کی قوت ہے۔ ایسی قوت جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ خیال انسان کو پہاڑ کی سی مضبوطی عطا کرتا ہے۔

**حرفِ آخر:۔** مسلمان دنیا کی کسی چیز کو اللہ کے برابر یا اس جیسا نہیں سمجھتے اور نہ ہی کسی چیز سے اس قدر تعلق خاطر اور الفتِ قلبی رکھتے ہیں جس قدر کہ وہ اللہ سے رکھتے ہیں، وہ شخصیات، علامتوں یا دنیاوی قدروں کے پیچھے نہیں پیکتے بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ سبحانہ کے احکام کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ کا خوف وہ زنجیر ہے جو نفس کو سرکشی سے روکتی ہے کیونکہ اس کے بغیر معاشرے کی کھوکھلی تنظیمیں اور بے جان رواج بیکار اور مہمل ہیں۔ اگر کسی وقت نفس کی لگامیں ڈھیلی ہو جائیں تو تقویٰ ہی اسے باز رکھتا ہے۔ یہی عقیدہ انسانیت کا جامع قرار پاتا ہے۔ عقیدہ توحید ہی مومن کا وطن اور اس کی قوم ہے۔ انسانیت جانوروں کا گلہ نہیں کہ اس کی اجتماعی تشکیل گھاس چارے اور چراگاہ کی مرہونِ منت ہو۔ قوم اور معاشی مفادات، یہ عقیدہ توحید سے کہیں فروتر ہے۔

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!

کیونکہ ساری خدائی اس کی ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، لَهُ الْمُلْكُ

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (التغابن-۱)

"اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

عقیدہ توحید کی کرن جب قلبِ مومن میں پھوٹتی ہے تو اس سے اس کا سارا وجود منور اور روشن ہو جاتا ہے۔ اس کی روح ہلکی پھلکی اور سبک ہو جاتی ہے اور اس کے گرد نور کا اک ہالہ بن جاتا ہے۔ اور اس عقیدہ توحید کے ذریعے مومن تمام اشیاء، تصورات اور اقدار کی حقیقتوں کو پالیتا ہے اسے ہر شے دُھلی دُھلی، نکھری نکھری، واضح اور روشن نظر آنے لگتی ہے اسے کوئی خوف نہیں رہتا وہ اپنی حرکات کو حرکاتِ کائنات سے ہم آہنگ کر لیتا ہے اور راہِ خدا میں بغیر بھٹکے آسانی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ گامزن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ راہِ حق سے آشنا ہوتا ہے۔ نور ایک ہی ہے۔ جو ہمیشہ ایک ہی راستے پر لے جاتا ہے جب کہ کفر سے پیدا ہونے والی گمراہیاں نہ بہ تہ اور نوع بہ نوع ہیں۔ ناجائز خواہشوں اور ناروا آرزوؤں کی تاریکی، راہِ حق سے بھٹکنے کی تاریکی، تکبر و طغیان کی تاریکی، ضعف و ذلت کی تاریکی، ریا اور نفاق کی تاریکی، طمع اور لالچ کی تاریکی، شک و اضطراب کی تاریکی، غرض صدہا تاریکیاں، سینکڑوں ظلمتیں اور ہزاروں اندھیارے سب ہی جادۂ توحید کی عملی تفسیر سے دُور لے جاتے ہیں اور صراط المستقیم سے منحرف کر دیتے ہیں اور انسان نورِ حق، نورِ واحد، نورِ الٰہی کو اسی وقت چھوڑتا ہے جب ان تاریکیوں میں سے کسی ایک میں بھٹک گیا ہو اور یہی لوگ اس دوزخ میں ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

☆

Marfat.com

# آیاتِ رسالت

۱۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آل عمران۔ ۱۶۴)

۲۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران۔ ۳۱)

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (النساء۔ ۵۹)

۴۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (النساء۔ ۸۰)

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب۔ ۵۶)

۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ
اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات۔ ۲،۱)

۷۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ
اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء۔ ۶۹)

Marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# رسالت

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے لاکھوں ہادی و رہنما، قائدین و پیشوا، انبیاء و مرسلین بھیجے مگر بجز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب کا دائرۂ ہدایت و تبلیغ مخصوص خاندان و قبیلہ اور زمان و مکان کی حد تک محدود تھا۔ کسی ہادی و رہبر کو وہ شہرت نہ مل سکی جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی۔ حضور کا دائرہ نبوت و رسالت پوری کائنات پر تا قیامت محیط ہے۔ چونکہ آپ کی نبوت و رسالت عالمگیر اور آفاقی ہے۔ اس لئے آپ کا تذکرہ تا قیامِ قیامت باقی ہے۔

اگرچہ تاریخِ عالم میں ہر نیک و صالح، ہر ہادی و رہبر کا ذکرِ خیر ملتا ہے۔ لیکن پوری تاریخِ انسانیت میں جتنا مفصل اور جامع تذکرہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اتنا کسی اور کا نہیں حضورؐ کی ذات اس قدر جامع صفات و کمالات ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے کہ جس کا تذکرہ تاریخ میں موجود نہ ہو۔ آپ کی سیرت و اخلاق، عادات و خصائل، عبادت و ریاضت عصمت و طہارت، شرافت و نجابت، علم و حکمت، دانش و بینش، عدالت و شجاعت، اور نبوت و رسالت پر ہزاروں کی تعداد میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ کوئی کتاب بھی حرفِ آخر نہیں۔ غرض یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ مدارج اور کمالات کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک اچھے قائد اور رہبر کے لئے صاحب علم و فضل ہونا

Marfat.com

ضروری ہے اور اسی طرح کسی نبی اور رسول کے لئے لازم ہے کہ جن افراد کی طرف وہ ہادی و رہبر بن کر آ رہا ہے، جن کے لئے رسول بن کر آ رہا ہے ان سب سے بڑھ کر وہ عالم بھی ہو اور عامل الصالحات بھی ہو۔ لہذا کسی نبی یا رسول کے لئے بنیادی معیار یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہو ان سے بڑھ کر علم رکھتا ہو کیونکہ اگر اس کا علم ان لوگوں کی نسبت کم ہو جن کی طرف اسے مبعوث کیا گیا ہو تو کوئی شخص بھی اس کے نمائندۂ خدا ہونے کا یقین نہیں کرے گا۔ لہٰذا نبی و رسول کا معاشرے میں سب سے زیادہ عالم ہونا ضروری و لازمی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص قوم یا قبیلہ کے لئے رسول بن کر نہیں آتے بلکہ قیامت تک پوری انسانیت کے رسول ہیں، اس حوالے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں کتنا علم دیا ہوگا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر انھیں قرآن پڑھایا تو یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی طور پر اپنی سرشت میں علم لے کر آتے تھے۔ اس مناسبت سے ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک دفعہ کفار و مشرکین میں سے کچھ پڑھے لکھے لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہنے لگے۔

"اے محمدؐ! آپ نے نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"ہاں! میں نبی ہوں، تمہیں کیا تنگ ہے۔"

کفار نے کہا۔

"آپ تو بالکل اَن پڑھ ہیں ایک دن بھی مکتب نہیں گئے، کسی کو معلم نہیں بنایا نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ کوئی مدرسہ دیکھا۔ آپ ان پڑھ ہیں اور ان پڑھ آدمی نبی نہیں

Marfat.com

ہو سکتا۔ اگر آپ اپنا علم ثابت کر دیں تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے"۔

حضورؐ نے فرمایا کہ۔

"تمہیں میرے علم میں شک ہے"۔

کفار بولے۔

"ہاں"!

حضورؐ نے فرمایا کہ۔

"تم لوگ یہ بتاؤ کہ میں نے اعلانِ نبوت سے پہلے تقریباً چالیس سال تمہارے درمیان گزارے ہیں۔ ان چالیس سالوں میں میرا کوئی عیب بتا دو۔ میں نے کسی کا حق چھینا ہو، جھوٹ بولا ہو، کسی پر ظلم کیا ہو، خیانت کی ہو، شراب پی ہو، جوا کھیلا ہو، غرض کوئی عیب بتا دو"۔

کفار حیران اور ششدر ہو کر کہنے لگے۔

"اے محمدؐ! تیری ذات میں ایسا کوئی عیب تو نہیں ہے، تیری زندگی یقیناً ان عیوب سے پاک ہے"۔

حضورؐ نے فرمایا کہ۔

"سنو اور غور سے سنو! عرب کے پراگندہ ماحول میں چالیس سال تک بے عیب رہنا اور کوئی غلط کام نہ کرنا اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ یہ میرے علم کا کمال ہے۔ میں بچپن سے نیک و بد، خیر و شر، عدل و ظلم، سچ اور جھوٹ غرضیکہ امر و نہی، معروف و غیر معروف کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ چالیس سال تک بے عیب زندگی گزارنا میرے علم کا ثبوت ہے"۔ حضورؐ کے اس استدلال سے کافر لاجواب ہو گئے۔

حضورؐ کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی ہے۔ اللہ نے حضورؐ کو وہ سب کچھ پڑھا دیا جو حضورؐ نہیں جانتے تھے۔

Marfat.com

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پڑھایا، کب پڑھایا، کہاں پڑھایا۔ اس کا جواب نہایت ہی آسان ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔

"بے شک رحمان نے خود قرآن پڑھایا، پھر انسان کو خلق کیا اور پھر اس کو بیان کرنا سکھایا"

لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

"کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو اس کتاب میں نہ ہو"

پھر ارشاد ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے۔ پھر یوں ارشاد ہوتا ہے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ ہر شے کا واضح بیان اس میں موجود ہے پھر ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

"اور کوئی زمین و آسمان کا غائب ایسا نہیں جو اس روشن کتاب میں موجود نہ ہو"

جب کتاب میں سب کچھ ہے۔ ہر شے کا واضح بیان اور تفصیلات اس میں ہیں زمین و آسمان کے تمام غائب اس میں موجود ہیں تو پھر اس ہستی کے علم کا اندازہ فرمائیں جس کو اللہ نے خود اپنی طرف سے اس کتاب کا معلّم بنا کر بھیجا ہے۔ یہاں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے۔ جس طرح قرآن معجزہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مجسّم معجزہ ہے۔ جس طرح قرآن کے اسرار و رموز ابھی تک انسانی فہم و ادراک سے پوشیدہ ہیں اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و اوصاف بھی لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ علمی ترقی کے ساتھ جس طرح قرآن حکیم کے سربستہ راز اور مخفی خزانے عیاں ہو

Marfat.com

رہے ہیں اسی طرح معلمِ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات بھی نمایاں ہوتے جا رہے ہیں، جہاں قرآن حکیم کی ایک ایک آیت جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق تشریح طلب ہے اسی طرح حیاتِ نبی کا ایک ایک لمحہ حکیمانہ تحقیق وتبصرے کا محتاج ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم کی تفہیم حضورؐ کی سیرت طیبہ سے وابستہ ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور سیرت النبیؐ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔

جہاں تک حضورؐ کے علم کا تعلق ہے وہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ وہبی علم یقینی ہوتا ہے، اس میں ذرہ برابر بھی ظن اور شکوک کا شائبہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قائد یا رہبر کے علم کے ساتھ ساتھ عمل کا ہونا لازمی ہے جو قائد علم کے مطابق عمل نہ کر سکے وہ قیادت کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ جب ایک عام قائد کے لئے علم کے مطابق عمل لازمی ہے۔ تو وہ رسول جو اللہ کی طرف سے ساری دنیا کی قیادت اور راہنمائی کے لئے آیا ہو۔ بھلا وہ عمل سے کیسے خالی ہو سکتا ہے۔

*جس طرح حضورؐ کا علم قطعی، یقینی اور وحی کے مطابق ہے اسی طرح حضورؐ کا عمل بھی معیاری اور مشیتِ ایزدی کے مطابق ہے۔ حضورؐ کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اللہ نے آپ کے عمل وکردار کو پوری انسانیت کے لئے تمام امورِ زندگی میں نمونہ کامل قرار دیا ہے چنانچہ اس ضمن میں ارشادِ خداوندی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"بے شک رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لئے کامل نمونہ موجود ہے"

چونکہ حضور کا علم اور عمل دونوں مشیتِ پروردگار کے مطابق ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔

چنانچہ سورۃ انفال میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥

Marfat.com

"اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔"

یہ آیت بتا رہی ہے کہ حقیقت میں مومن وہی ہو سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ پھر اسی سورہ انفال کی آیت نمبر ۲۰ میں مومنین سے خطاب کرتے ہوتے اللہ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ۝

"یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کا حکم سن کر اس سے رُوگردانی نہ کرو۔"

یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ اللہ اور رسول کا حکم الگ الگ نہیں ہے جو حکم اللہ کا ہے وہ حکم رسول ہے اور جو رسول کا حکم ہے وہی حکم خدا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم بے شک خدا کا ہے مگر زبان رسول کی ہے لوگ اللہ کی آواز نہیں سنتے بلکہ ان کے سامنے رسول ہیں اور وہ رسول ہی کی آواز کو سنتے ہیں۔ اس مفہوم کی تصدیق سورۃ نجم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔

"یعنی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ بھی کہتے ہیں اپنی خواہشات نفسانی سے نہیں کہتے ہیں بلکہ اللہ کی وحی کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔"

لہٰذا سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۰ میں اس حقیقت کو یوں بیان کر دیا۔

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔

"یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اس آیت سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

۱۔ اللہ اور رسول کے احکام میں قطعاً مغایرت نہیں ہے۔

Marfat.com

۲۔ اللہ تعالےٰ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اتنا یقین ہے کہ ان کے حکم اور فرمان کو اپنا حکم قرار دیا ہے۔

۳۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کچھ شک و شبہ ہونا یا غلطی کا امکان ہوتا تو خدا کبھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار نہ دیتا۔

اتباع رسول کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران میں آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

"یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان لوگوں سے صاف صاف بیان کر دو اگر وہ اللہ سے دوستی اور محبت کے دعوے دار ہیں تو تیری اطاعت کریں اس طرح اللہ اُن کے گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم اسی آدمی کو اپنا محبوب بنائے گا جو اس کے پیارے رسول کی اطاعت اور اتباع کرے گا۔ اور اگر ایسا شخص جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دم بھرا ہے۔ اگر گنہگار بھی ہو گا تو اللہ اس کے گناہ بخش دے گا یا یوں سمجھئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع خوشنودیٔ خدا کا وسیلہ اور بخشش کا سہارا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا عظیم صلہ اور اجر بیان کرتے ہوئے سورہ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔

Marfat.com

"یعنی جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے انعام کیا ہے اور یہ ان کے لئے بہترین دوستی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رسول مبعوث کر کے مومنین پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوتے تو لوگ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے رہتے، کوئی ان کو ہدایت دینے والا نہ ہوتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر لوگوں کو کفر و شرک سے پاک کیا ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی ان کا تزکیہ نفس کیا چنانچہ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ میں ارشاد خداوندی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

"یعنی اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر مہربانی کرتے ہوئے ان میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو کہ ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

جہاں اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں ان کی تعظیم کو بھی مخلوق پر واجب گردانا ہے، چنانچہ سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱، ۲ میں ارشادِ خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔

Marfat.com

"یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو یعنی اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو تسلیم کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اے ایمان والو نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نبی کو اونچی آواز سے نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اگر تم نے نبی کے سامنے اس طرح بے ادبی کا مظاہرہ کیا تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور نہیں۔"

یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر ذی شعور انسان صاحب کمال کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے کمالات سے آراستہ کر کے خود اپنی محبت کا محور اور مرکز قرار دیکر درود و سلام کے لائق ٹھہرایا۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۶ میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں درود نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت محمد صلی اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پوری کائنات میں ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ کتنی خوش نصیب ہے وہ قوم جس کی ہدایت و رہبری کے لئے قرآن پاک جیسی کتاب ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہادی و رہبر ہو۔ اگر مسلمان قرآن و سنت پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہو جائیں تو دنیا کی تمام قوتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو جائیں خداوند عالم تمام مسلمانوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔ (آمین)

Marfat.com

Marfat.com

# آیاتِ آخرت[۱۹۵]

۱۔ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ (البقرہ۔۴)

۲۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ (النساء۔۷۷)

۳۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ۔۲۰۱)

۴۔ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (الاسراء : ۱۹)

۵۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (البقرہ۔۲۶۰)

۶۔ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ (یٰسین۔ ۷۸۔۸۰)

Marfat.com

Marfat.com

# الآخرۃ

۱۔ یہ سوال کہ مرنے کے بعد زندگی ہے یا نہیں، ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو ہمارے حواس اور حسی تجربہ کی حدود سے باہر ہیں، ہم جو کچھ محسوس کرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک شخص جو چند لمحہ قبل تک سانس لیتا اور اپنے ارادے سے حرکت کرتا تھا وہ اب زندگی کے تمام آثار سے محروم ہو گیا، اور اس کے جسم سے کوئی ایسی چیز غائب ہو گئی جس نے اس جامد اور غیر متحرک مادے کو زندگی اور حرکت کی قوت مہیا کر رکھی تھی اب رہا یہ سوال کہ وہ شے کہاں چلی گئی؟ جسم سے الگ ہو کر بھی موجود ہے یا معدوم ہو گئی؟ اور پھر کبھی اس جسم یا ایسے ہی کسی اور جسم سے اس کا تعلق دوبارہ قائم ہو گا یا نہیں؟ تو جہاں تک ہمارے حواس اور تجرباتی علم کا تعلق ہے ہم اس سوال کا نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب نہیں دے سکتے: کیونکہ اس چیز کو فی نفسہٖ ہم نے پہلے کبھی محسوس کیا تھا اور نہ اب محسوس کرتے ہیں۔

عقیدۂ تناسخ :۔ ۲۔ ایک گروہ تناسخ کے عقیدے کا قائل ہے۔ اس عقیدے کی رُو سے ایک شخص جو اس وقت انسان ہے وہ اس لئے انسان ہو گیا کہ جب وہ جانور تھا تو اس نے اچھے عمل کئے اور ایک جانور جو اس وقت جانور ہے وہ اس لئے جانور ہو گیا کہ انسانی حیثیت میں اس نے برے عمل کئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان اور حیوان اور درخت ہونا سب دراصل پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے کیا چیز تھی؟

اگر کہا جائے کہ پہلے انسان تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے حیوان یا درخت ہو ورنہ پوچھا جائے گا کہ انسان کا قالب (ڈھانچہ) اس کو کس اچھے عمل کے بدلے میں ملا

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ حیوان تھا یا درخت تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے انسان ہو ورنہ سوال ہو گا کہ درخت یا حیوان کا قالب اس کو کس برے عمل کی سزا میں ملا؟ غرض یہ ہے کہ اس عقیدے کے ماننے والے مخلوقات کی ابتدا کسی حیثیت و شکل سے بھی قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انسانی، حیوانی اور نباتاتی حیثیتوں میں سے کوئی ایک حیثیت ہونا ضروری ہے۔ تاکہ بعد والی حیثیت کو پہلی حیثیت کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یہ بات صریح عقل کے خلاف ہے۔

**دہریوں کا عقیدہ** :۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ ہوتے ہم نے نہیں دیکھا۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ جو مرتا ہے وہ مٹی میں مل جاتا ہے۔ لہذا مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ مگر غور کیجئے کیا یہ کوئی دلیل ہے؟ مرنے کے بعد آپ نے کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا تو آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کچھ نہ ہو گا۔ اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟ ایک آدمی نے اگر ایٹم بم نہیں دیکھا تو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ ایٹم بم کیا چیز ہے۔ لیکن جب وہ کہے گا کہ میں جانتا ہوں کہ ایٹم بم کوئی چیز نہیں ہے۔ تو عقل مند اس کو احمق کہیں گے۔ اس لئے کہ اس کا کسی چیز کا نہ دیکھنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ کوئی چیز ہے بھی نہیں۔ ایک آدمی کیا اگر ساری دنیا کے لوگوں نے بھی کسی چیز کو نہ دیکھا ہو تو یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نہیں ہے یا نہیں ہو سکتی۔

**اسلام اور عقیدۂ آخرت** :۔ اس سلسلے میں اسلام یہ کہتا ہے کہ ایک دن قیامت آئے گی اور خدا اپنے اس کارخانے کو توڑ پھوڑ کر نئے سرے سے ایک دوسرا زیادہ اعلیٰ درجہ کا پائیدار کارخانہ بنائے گا۔

یہ ایک ایسی بات ہے جس کے صحیح ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ دنیا کے اس کارخانے پر جتنا غور کیا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ

Marfat.com

دائمی کارخانہ نہیں ہے کیونکہ جتنی قوتیں اس میں کام کر رہی ہیں وہ سب محدود ہیں اور ایک روز ان کا ختم ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے تمام سائنس دان اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ ایک دن سورج ٹھنڈا اور بے نور ہو جائے گا، سیارے ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کو دوبارہ زندگی بخشی جائے گی، کیا یہ ناممکن ہے؟ حیات اخروی کا اعتقاد جب قرآن مجید نے پیش کیا تو اس کے خلاف اس وقت کے منکرین نے جو اعتراض کیا تھا وہ وہی تھا جو آج کے منکرین کرتے ہیں اور درحقیقت اس پر یہی ایک اعتراض ممکن بھی ہے۔ یعنی یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ایک بعید از قیاس و عقل بات ہے، ہم کس طرح مان لیں کہ جو مردے زمین میں گل سڑ گئے جن کے جسم خاک میں حل گئے، جن کے اجزائے جسم ہوا زمین اور پانی میں منتشر ہو گئے ان کو پھر زندگی میسر ہو گی۔

ابن عباسؓ، قتادہؒ اور سعید بن جبیرؓ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ کے سرداروں میں سے ایک شخص قبرستان سے کسی مردے کی ایک بوسیدہ ہڈی لئے ہوئے آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توڑ کر اور اس کے منتشر اجزا ہوا میں اڑا کر آپ سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تم کہتے ہو کہ مردے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ بتاؤ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس کے جواب میں فرمایا گیا

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ (یٰسٓ ۷۷ تا ۸۰)

"کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر

Marfat.com

کھڑا ہو گیا، اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ اس سے کہو کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا۔ اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے وہی جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔"

ظاہر ہے کہ جو ذات اس دنیا میں انسان کو پیدا کر سکتی ہے وہ اس کو مرنے کے بعد بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اللہ نے ہرے بھرے درختوں کے اندر آتش گیر مادہ رکھا ہے جس کی بدولت تم آگ جلاتے ہو۔ یا پھر اشارہ اس طرف ہے کہ مرخ اور عفار نامی دو درختوں کی ٹہنیاں لے کر اہل عرب ایک دوسرے پر مارتے تھے تو ان سے آگ جھڑنے لگتی تھی، قدیم زمانے میں عرب کے بدو آگ جلانے کے لئے یہی چقماق استعمال کیا کرتے تھے اور ممکن ہے آج بھی کرتے ہوں، مراد یہ ہے کہ جو خدا ہر قسم کی تخلیق کر سکتا ہے اس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ متّقی لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ۔۴)

"اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

آخرۃ (اس کا مذکر آخر) صاحب محیط کے الفاظ میں یہ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آ رہی ہو، لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آ رہی ہو۔ آخرت کے جامع لفظ کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں۔

۱۔ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

Marfat.com

ب:۔ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتا ہے۔ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ج:۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوتی تھی بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

د:۔ یہ کہ کامیابی اور ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

ہ:۔ انسان نے اس دنیا میں جتنے عمل کیے ہیں، ان سب کا ریکارڈ محفوظ ہے اور وہ حشر کے دن پیش ہوگا۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا ثبوت آج ہم کو اس دنیا میں بھی مل رہا ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ جو آواز ہمارے منہ سے نکلتی ہے وہ ہوا میں تھوڑی سی لہر پیدا کر کے فنا ہو جاتی ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ آواز اپنے گرد و پیش کی چیزوں پر اپنا نقش چھوڑ جاتی ہے جس کو دوبارہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ گراموفون کا ریکارڈ اسی اصول پر بنا ہے۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ ہماری ہر حرکت کا ریکارڈ ان تمام چیزوں پر نقش ہو رہا ہے جن کے ساتھ اس حرکت کا کسی طور پر تصادم ہوتا ہے۔ جب حال یہ ہے تو یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا پورا اعمال نامہ محفوظ ہے اور دوبارہ اس کو حاضر کیا جا سکتا ہے۔

اعمال نامہ محفوظ ہو گا اور خدا حشر کے دن عدالت کرے گا۔ اور حق کے ساتھ ہمارے اچھے بُرے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اس کو کون ناممکن کہہ سکتا ہے؟ اس میں کون سی بات خلافِ عقل ہے؟ عقل تو خود یہ چاہتی ہے کہ کبھی خدا کی عدالت ہو اور ٹھیک ٹھیک

Marfat.com

حق کے ساتھ فیصلے کئے جائیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نیکی کرتا ہے اور اس کا کوئی فائدہ اس کو دنیا میں حاصل نہیں ہوتا۔ ایک شخص بدی کرتا ہے اور اس سے کوئی نقصان اس کو نہیں پہنچتا بھی نہیں بلکہ ہم ہزاروں مثالیں ایسی دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نے نیکی کی اور اسے الٹا نقصان ہوا۔ ایک دوسرے شخص نے بدی کی اور وہ خوب مزے کرتا رہا۔ اس قسم کے واقعات کو دیکھ کر عقل مطالبہ کرتی ہے کہ کہیں نہ کہیں نیک آدمی کو نیکی کا اور شریر آدمی کو شرارت کا پھل ملنا چاہیئے۔ اسلام نے دنیا کی اس عارضی زندگی کو متاعِ قلیل کہا ہے اور آخرت کو بہترین کہا ہے ان کے لئے جو تقویٰ کی راہ اختیار کریں اور اس دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو مدینہ کے اندر ابھی جہاد یعنی قتال کی اجازت نہ ملی تھی۔ ان حالات میں مدینہ کے مسلمانوں کے اندر جنگ کا احساس پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ مسلمان اپنے اس احساس کا اظہار کرتے تو منافقین بھی پورے جوش وخروش سے جذبۂ جنگ کا اظہار کرتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں روکتے کہ ابھی انتظار کرو۔ اور نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کے ذریعے سے اپنے اللہ سے تعلق، اپنی تنظیم اور اپنے جذبۂ انفاق کو ترقی دو۔ لیکن جب جہاد کی اجازت مل گئی تو زبان کے ان غازیوں کا سارا جوش سرد پڑ گیا۔ اب یہ چھپنے کی کوشش کرتے اور دل میں جو رعب اور خشیت خدا کے لئے ہونی چاہیئے اس سے زیادہ دہشت ان کے دلوں پر انسانوں کے لئے طاری تھی۔ یہ دل ہی دل میں کہتے کہ اے خدا اتنی جلدی تو نے یہ جنگ کا حکم کیوں دے دیا، کچھ اور مہلت کیوں نہ دی تو فرمایا ان سے کہہ دو کہ دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام تو چند روزہ ہے اس کے لئے اتنی بے قراری کیوں ہے۔ عیشِ دوام تو آخرت میں ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے اس کے لئے کمر باندھیں اور اطمینان رکھیں کہ جو کریں گے اس میں سے رتی رتی کا صلہ پائیں گے۔ ذرا بھی ان کے ساتھ کمی نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کا ارشاد ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ (النساء ۷۷)

"کہہ دو اس دنیا کی متاع بہت قلیل ہے اور جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لئے آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور تمہارے ساتھ ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی"

ایک دوسری جگہ آخرت کے خواہش مند کوشش کرنے والے ایمان دار کے لئے اس کی سعی کے ثمر آور ہونے کا ذکر قرآن مجید میں یوں لکھا گیا ہے۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۹)

"اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لئے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہیئے اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی"

اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کے طلب گار ہیں اور وہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا اللہ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ - ۲۰۱)

"اور ان میں سے کوئی کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی۔ اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا"

عقیدۂ آخرت کی دعوت تمام انبیاء کرام کی دعوت رہی ہے۔ سب انبیاء نے آخرت کو مدنظر رکھ کر نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی تعلیم دی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینانِ قلب کے لئے بارگاہِ الٰہی میں سوال

Marfat.com

کیا کہ اے اللہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالےٰ نے انھیں آنکھوں سے مشاہدہ کرادیا جس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (البقرہ - ۲۶۰)

"اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرے مالک! مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے. فرمایا کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ انھوں نے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے. فرمایا اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کر لے، پھر ان کا ایک ایک جز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو پکار وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے. خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے۔"

انبیاء کرام کے ساتھ اللہ کا جو معاملہ ہے اگر اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جاتے تو بات صاف ہو جاتی ہے تمام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے اس کے لئے تو محض ایمان بالغیب (بے دیکھے ماننا) کافی ہے لیکن انبیاء کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انھیں دنیا کو دینی تھی۔ ان کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں، تمھارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے. تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں، اسی لئے انبیاء

Marfat.com

کے سامنے فرشتے عیاناً آتے ہیں۔ ان کو آسمان و زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ ان کو جنت، دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے اور بعث بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصبِ نبوّت پر مامور ہونے سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان بالشہادت کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ؔ

Marfat.com

Marfat.com

# آیاتِ جہاد

۱۔ وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج-۷۸)

۲۔ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ (التوبہ-۴۱)

۳۔ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان-۵۲)

۴۔ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النسا-۹۵)

۵۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت-۶۹)

۶۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ-۱۹۳)

۷۔ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء-۷۴)

Marfat.com

Marfat.com

# جہاد فی سبیل اللہ

جہاد کا ترجمہ انگریزی زبان میں HOLY WAR مقدس جنگ سے کیا جاتا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز سے کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ جوشِ جنون کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے حتیٰ کہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں جہاد کی یہی تعریف درج کر دی گئی۔

JIHAD (ARABIC "FIGHT" OR "BATTLE").
A RELIGOUS DUTY IMPOSED UPON
MUSLIMS TO SPREAD ISLAM BY WAGING WAR-

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جنگ یا لڑائی کے ہیں، مسلمانوں پر ایک مذہبی فریضہ ہے جس کے تحت وہ بزورِ شمشیر اسلام پھیلاتے ہیں۔

محققینِ برٹانیکا نے جہاد کے مفہوم کو جنگ سے منسوب کر کے اس کی معنویت اور جامعیت کو محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ اس تعریف کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح سے نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آ رہا ہے جہاں کسی کافر کو دیکھ پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار یا بندوق اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے غیر مسلم مستشرقین نے جن میں عیسائی پیش پیش ہیں۔ ہماری یہ تصویر بڑی قلمکاریوں کے ساتھ اتنی ہوشیاری اور مکاری سے بنائی ہے کہ خود مسلمانوں کے ذہن بھی متاثر

INCYCLOPEDIA BRANIKA
EDITION 15 VOL. 6 P. 550

Marfat.com

ہو گئے اور وہ بھی جہاد کا وہی مفہوم سمجھنے لگے جو دشمن ہمارے ذہن میں بٹھا کر
شکوک و شبہات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے
والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ
میں مشغول ہیں، ان کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے ہر قسم کے
اسلحے سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ہر طرف تجارت
کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل زمینیں اور معدنیات
کی کانیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لئے
ایندھن فراہم کریں، ان کی جنگ پیٹ کی راہ میں ہے۔ نفسِ امارہ کی راہ میں ہے ایشیا
افریقہ، یورپ غرض کرۂ ارض کا کون سا حصہ بچارہ گیا ہے جو اس مصور کی غیر مقدس
جنگ سے لالہ زار نہیں ہو چکا۔ مگر ان کی مہارت قابلِ داد ہے۔ انھوں نے ہماری
تصویر اتنی بھیانک اور اتنی بُری بنائی کہ خود ان کی اپنی تصویر اس کے پیچھے چھپ گئی
یادانستہ طور پر چھپادی گئی[1] یہ ان محققین کی ایک جارحانہ کارروائی تھی جس کے تحت
دنیا بھر کے مسلمانوں کو مدافعت پر مجبور کر دیا گیا۔ بعض نادان و کم علم مسلمان تو ان کے
پروپیگنڈے سے ایسے متاثر ہوئے کہ شرمانے لگے اور انہیں کوئی جواب نہ بن پڑا
یہاں تک کہ وہ اسلام کے عسکری پہلو پر مسلمان ہوتے ہوئے بھی جرح و تنقید کرنے لگے

مستشرقینِ یورپ کے اسی پروپیگنڈے کو زائل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے
کہ عام مسلمانوں کے سامنے بالعموم اور فوجی قائدین کے لئے بالخصوص جہاد کے حقیقی مفہوم
کو واضح کیا جائے، چنانچہ پاک فوج کے چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق
نے ۱۹۷۶ء میں پاک فوج کو جو نصب العین دیا وہ ہے،

"ایمان، تقوٰی، جہاد فی سبیل اللہ"

---

[1] اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص ۲۹۵۔

اس نصب العین کے ذریعہ افواجِ پاکستان کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ کرنا تھی کہ ایمان وہ اصلی جوہر ہے، وہ نور ہے، وہ حقیقت ہے جو انسان کو باقی تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے، جو مسلمانوں کو تمام انسانوں پر شرف و بزرگی عطا کرتا ہے، جو مسلمان کے باطن کو استوار کرتا ہے، اس کو حقیقت آشنا اور حق شناس کرتا ہے، جو مسلمان کو یہ یقین عطا کرتا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے جو اس کائنات کی ساری مخلوقات کا رب ہے، جس کا اختیار و علم بہت وسیع ہے۔ ساری قوتوں کا مرکز و محور وہی ہے، ہر قسم کی عزت، طاقت، فخر اور امتیاز اسی کو سزاوار ہے، یہی ایمان مسلمان کو یہ یقین فراہم کرتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کے ماسوا کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ رحیم و کریم، جبّار و قہّار اور عزیز و حکیم ہے روزِ جزا کا مالک ہے۔ اس ایمان سے مسلمان کے رویے میں خوشگوار تبدیلیاں انگڑائیاں لیتی ہیں، وہ اپنے اعمال و افعال کو استوار کرتا ہے اور ہر کام میں اللہ کی مشیت اور اس کی خوشنودی کا طالب بنتا ہے۔ مسلمان کی اسی روش کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے ایمان، مسلمان کو نشانِ راہ کا تعین کرتا ہے۔ تقویٰ مسلمان کے اندرونی اور باطنی کیفیات میں خدا خوفی کو پروان چڑھاتا ہے جو رضائے الٰہی کے حصول کی مستقل علامت بنتا ہے ان دونوں صفات کے ذریعہ مسلمان کی پوری زندگی اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے وقف ہو جاتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں اقامتِ دین پر صرف ہوتی ہیں، اس کی انہی شبانہ و روز جدوجہد، تگ و دو اور محنت و مشقت کو جہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے ذیل میں جہاد کے صحیح مفہوم، اس کی اقسام اور اس کی فضیلت کی وضاحت کی گئی ہے۔

**مفہوم:-** لغوی اعتبار سے جہاد سے مراد وہ محنت و کوشش ہے جو کسی خاص مقصد کے لئے کی جائے۔ شریعت اسلامی میں اس سے مراد وہ محنت اور کوشش ہے جو اللہ کی راہ میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین

Marfat.com

کے لئے کی جاتے[1]۔ عام طور سے جہاد کے معنی قتال اور لڑائی کے لئے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے اس کے صحیح معنی حق کی بلندی، اس کی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار کو گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی، مالی اور دماغی قوتوں کو، جو اللہ نے اپنے بندے کو دے رکھی ہیں، اس کی راہ میں خرچ کرنا، یہاں تک کہ اپنی جان تک قربان کر دینا یعنی اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں جان، مال، زبان اور قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے[2]۔

**فلسفۂ جہاد:۔** جہاد کا مطلب اپنی پوری طاقت اور قوت کو بروئے کار لاتے ہوتے جدوجہد کرنا ہے، لیکن چونکہ مسلمان کی جدوجہد کسی ذاتی منفعت، عہدہ، سلطنت اور مال وغیرہ کے حصول کے لئے نہیں ہے اس لئے اس جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کی شرط شامل ہے یعنی یہ جدوجہد خالصتاً اللہ کے دین کی سرفرازی کے لئے ہوگی، جہاد فی سبیل اللہ میں ایک مسلمان اپنا مال، عیش وآرام، بیوی بچے اور حتیٰ کہ اپنی جان تک خدا کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ دنیا میں شیطانی قوتیں ہمیشہ رحمانی قوتوں سے نبرد آزما رہی ہیں[3]۔ بقول اقبال،

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اسلام کا جہاد نرا جہاد نہیں ہے، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ فی سبیل اللہ کی قید اس کے ساتھ لازمی قید ہے۔ یہ لفظ بھی اسلام کی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے جس کا اپنا ایک خاص مزاج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظامِ زندگی میں انقلاب برپا کرنے اور اسلامی نظریئے کے مطابق نئے

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ جلد ۷۔ ص ۵۴۲۔ [2] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد ۵۔ ص ۳۶۷۔
[3] جہاد (فوائد، مسائل، دعائیں) مفتی محمد شفیعؒ۔ ص ۹۔ [4] جہاد فی سبیل اللہ۔ ۱۷۔ ڈویژن۔ ص ۷

Marfat.com

نظام مرتب کرنے کے لئے اٹھے تو اس قیام اور اس سربازی و جاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی خواہش نہ ہو، اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ قیصر کو ہٹا کر وہ خود قیصر بن جائے۔ اپنی ذات کے لئے مال و دولت یا شہرت و ناموری یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں شامل نہ ہو، اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہو کہ بندگان خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظامِ زندگی قائم کیا جائے، اس کے معاوضہ میں اسے خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ بھی مطلوب نہ ہو۔ اللہ پاک اسی خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور اہلِ ایمان کو یہ حکم دیتے ہیں۔

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج - ۷۸)

"اور جہاد کرو اللہ (کی راہ) میں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔"

آیتِ بالا میں لفظ فِي اللهِ "اللہ میں" قابلِ غور ہے۔ اس آیت میں سبیل کا لفظ محذوف ہے جو آیت کے مفہوم میں مزید دِقت اور گہرائی پیدا کر دیتا ہے اس لئے اس آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک تو یہی معروف معنی ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے یعنی ان ساری قوتوں اور طاقتوں کے خلاف مجاہدہ کرو جو راہِ حق میں مزاحم ہوتی ہیں۔

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خود اللہ کی پہچان، اس کی مشیّت تک رسائی اور اس کی خوشنودی کی معرفت کے لئے تگ و دو اور مجاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ جب تک معرفتِ حق نہیں ہو گی اس کٹھن راہ پر چلنا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا اس معنی میں اس آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اللہ کی پہچان اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ کرو جیسا کہ مجاہدہ کرنے کا حق ہے یعنی اپنی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کو خدا کی پہچان میں کھپا

Marfat.com

دیجیئے۔ کیونکہ جب اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتے گی نورِ روحانیت کا عروج ہوگا پھر اللہ اور بندے کے درمیان سے سارے طبعی حجابات دور ہو جاتے ہیں اور بندۂ خدا ہمہ وقت اپنے رب کی خوشنودی کے حصول کے لئے کوشاں ہو جاتا ہے اللہ جب اپنے پیارے غلام کو جستجوئے حق میں برسرِ مجاہدہ دیکھتے ہیں تو انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت: ۶۹)

"اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے"

۳۔ گویا "مجاہدہ" کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کش مکش اور جد و جہد کرنے کے ہیں، جب کسی خاص مخالف طاقت کی نشاندہی نہ کی جائے بلکہ مطلقاً مجاہدہ کا لفظ استعمال کیا جاتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ہمہ گیر اور ہر جہتی کش مکش ہے، مومن کو اس دنیا میں جو کش مکش کرنی ہے اس کی نوعیت یہی کچھ ہے کہ:۔

ا۔ اسے شیطان سے بھی لڑنا ہے جو اس کو ہر آن نیکی کے نقصانات سے ڈراتا ہے اور بدی کے فائدوں اور لذتوں کا لالچ دلاتا رہتا ہے۔

ب۔ اسے اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے۔

ج۔ اسے اپنے گھر سے لے کر آفاق تک کے ان تمام انسانوں سے لڑنا ہے جن کے نظریات، رجحانات، اصولِ اخلاق، رسم و رواج، طرزِ تمدن اور قوانینِ معیشت و معاشرت دینِ حق سے متصادم ہوں۔

د۔ اسے اس ریاست سے بھی لڑنا ہے جو خدا کی فرمانبرداری سے آزاد رہ کر اپنا فرمان چلاتے، نیکی کی بجاتے بدی کو فروغ دینے میں اپنی قوتیں صرف کرے۔

۵۔ یہ مجاہدہ ایک دو دن کا نہیں عمر بھر کا اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر لمحہ

Marfat.com

کا ہے اور کسی ایک میدان میں نہیں زندگی کے ہر پہلو، ہر محاذ اور ہر میدان میں ہے اسی کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں،

اِنَّ الرَّجُلَ لَیُجَاھِدُ وَمَا ضَرَبَ یَوْمًا مِنَ الدَّھْرِ بِسَیْفٍ[1]

"بے شک آدمی جہاد کرتا ہے خواہ کبھی ایک دفعہ بھی وہ تلوار نہ چلائے"

**اقسام:-** جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق مستشرقین کے پھیلاتے ہوئے مغالطہ کو دور کرنے کے لئے گزشتہ صفحات میں جو وضاحت کی گئی ہے اس سے دینِ اسلام کے اس اہم رکن کے بارے میں جو صحیح تصور ابھرتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی جہاد سے عبارت ہے بشرطیکہ وہ اپنی ساری جدو جہد اور سرگرمیوں کا مرکز و محور اللہ کے دین کی سربلندی کو بناتے اور وہ اپنی جسمانی قوتوں، دماغی صلاحیتوں اور مالی وسائل کو اپنے نصب العین کے حصول میں کھپا دے۔ چنانچہ امام راغب نے لفظِ جہاد کی تشریح کرتے ہوتے لکھا ہے کہ۔

"جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کھلے دشمن کا مقابلہ۔ دوسرے شیطان اور اس کے پیدا کئے ہوتے خیالات کا مقابلہ اور تیسرے خود اپنے نفس کا ناجائز خواہشات سے مقابلہ"

۹- جہادِ فی سبیل اللہ کی زیادہ تر اقسام درج ذیل ہیں،

ا۔ جہاد بالنفس،

ب۔ جہاد بالمال،

ج۔ جہاد باللسان،

د۔ جہاد بالعلم

---

[1] تفہیم القرآن۔ جلد ۳۔ ص۔ ۶۷۸

Marfat.com

۵۔ جہاد بالسیف۔

**جہاد بالنفس:۔** جہاد بالنفس یہ ہے کہ مسلمان اپنے اوّلین ہدف نفسِ امارہ کو اطاعت الٰہی پر آمادہ کرے جو ہر وقت خدا سے بغاوت کرنے پر زور لگاتا رہتا ہے اور اسے ایمان و اطاعت سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے جب تک اِسے مسخر نہ کر لیا جاتے باہر کسی مجاہدے کا امکان نہیں ہے جہاد بالنفس کے دو درجے ہیں۔

۱۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی نفسانی خواہشات پر اس طور سے قابو پائے کہ سرکشی اور گمراہی سے محفوظ رہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو، یعنی اپنی سوچ، فکر اور خواہشات کو اللہ کی مرضی اور مشیت کے تابع کرے۔ اپنے جسم پر تعلیمات خداوندی کو نافذ کرے اور اپنی زندگی کو سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکاس بنائے۔ یہ جہاد کا ابتدائی اور اہم درجہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے ایک غزوہ سے واپسی پر آپ نے صحابہ کو فرمایا۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔[1]

"ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف پلٹے ہیں"

صحابہ کے دریافت کرنے پر کہ جہادِ اکبر کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ۔

مُجَاهِدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ[2]

"آدمی کا اپنی خواہشِ نفس کے خلاف جدوجہد"

جہاد اکبر ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان اور اپنے نفس کو اللہ کی راہ میں قربان کر دے، خدا کی زمین پر خدا کے باغیوں کی بغاوت کو کچلنے اور اللہ کی بادشاہی سے

---

[1] جہاد فی سبیل اللہ۔ ۱۷ ڈویژن۔ ص ۱۳ [2] تفہیم القرآن۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۴۔

Marfat.com

شیطانی اور طاغوتی قوتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی نہ کترائے اور جامِ شہادت اس جذبے سے نوش کرے کہ۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

**جہاد بالمال**:۔ مال سے جہاد کرنے کے بھی دو معنی ہیں۔

۱۔ پہلا معنی تو یہ ہے کہ انسان میں مال کے ساتھ جو محبت پائی جاتی ہے اُس محبت کو استوار کرنے کے لئے باطنی کیفیات کو راست اور دُرست کیا جائے کیونکہ "اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ"[1] "بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے" اکثر اوقات کثرتِ مال کی خواہش انسان کو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز سے بے نیاز کر دیتی ہے جس کے لئے پروردگار نے اموال کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[2]

"بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں"

اس لئے مسلمان کے ذمے یہ ہے کہ وہ اس فتنہ کے خلاف جدوجہد کرے اور ایسا مجاہدہ کرے کہ مال کی محبت مغلوب ہو جائے اور وہ غالب آ جائے کیونکہ یہ دونوں عوامل یعنی مال اور اولاد انسان کو خدا کی اطاعت سے نکال کر معصیت میں لے جاتے ہیں، خود پروردگار انسان کو ہوشیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[3]

"اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں"

---

[1] القرآن، سورۃ العٰدیات۔ ۸ [2] القرآن، سورۃ التغابن۔ ۱۵ [3] القرآن، المنافقون۔ ۹

Marfat.com

ب۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جائز اور حلال ذرائع سے جو مال کمایا گیا ہے۔ اسے جمع کرنے اور گن گن کر گھر میں یا بنک میں رکھنے کی بجائے اسے اللہ کے احکام کے تحت خرچ کیا جائے۔ زکوٰۃ ادا کی جائے، خیرات کی جائے اور خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے یعنی ان تمام مالی وسائل کو اللہ کی عطا سمجھ کر اس کے نام اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے صرف کیا جائے۔ نفس کو اس انفاق فی سبیل اللہ کے لئے آمادہ و تیار کرنے کے لئے جو جدوجہد اور مجاہدہ کیا جاتا ہے اس پر بھی جہاد بالمال کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے ارشادِ ربّانی ہوتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1]

"نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔"

**جہاد باللّسان:۔** جہاد باللّسان سے مراد زبان کا جہاد ہے یعنی حق کو جان لینے اور تسلیم کر لینے کے بعد اسے دوسروں تک پہنچایا جائے اور ابلاغِ حق کے لئے اپنی پوری سعی و کاوش کی جائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے دعوت الی الخیر کا کام کیا جائے۔ اس سارے کام کے لئے بھی بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اسی لئے ابلاغِ حق کے لئے کئے جانے والی اس کاوش پر جہاد باللسان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس جہاد کے تین مراحل ہیں۔

۱۔ پہلا مرحلہ ابلاغ کا ہے یعنی نیکی کو پھیلایا جائے اور برائی کو روکا جائے۔

(ا) اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ[2]

"اور آپ کے ذمے یہ ہے کہ ابلاغِ حق کریں۔"

---

[1] القرآن الکریم۔ سورۃ التوبہ۔ ۴۱ [2] القرآن الکریم۔ سورۃ الشوریٰ۔ ۴۸۔

Marfat.com

ب۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ[1]

"پس تم نصیحت کیے جاؤ بے شک تم تو نصیحت ہی کرنے والے ہو"

ج۔ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً[2]

"آگے پہنچاؤ خواہ ہے تمہارے پاس میری ایک ہی بات ہو"

ب۔ دوسرا مرحلہ ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے یعنی حکمران کو اور مخالفین اسلام کے سامنے حق بات کو پوری صفائی کے ساتھ پیش کرنا ہے اس کے لئے خواہ کتنی ہی مشقتیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں، ایک حدیث میں رسول اللہ نے اس کو جہاد سے تعبیر کیا اور دوسری حدیث میں اسے افضل جہاد قرار دیا۔

(۱) جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ[3]

"مشرکین سے اپنے مالوں، ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو"

(۲) أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[4]

"بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے"

ج۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ قتال کے لئے مسلمانوں کو پُرتاثیر تقاریر سے ترغیب دی جاتے، قتال کے فضائل بیان کئے جائیں اور نظریہ کی سچائی اور مقصد کی حقیقت ان کے دماغ میں زورِ بیاں اور احسن طرزِ استدلال سے راسخ کرکے قتال کے لئے تیار کیا جاتے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ[5]

"اے نبیؐ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو"

**جہاد بالعلم**:۔ جہاد بالعلم سے مراد یہ ہے کہ علم و حکمت کے میدان میں کلمۃ اللہ کی حقانیت اور صداقت کو ثابت کرنے کا کام علمی بنیادوں پر کیا جاتے اور معقول دلائل کے ساتھ منکرینِ حق کی فکری و نظری یلغار کو ناکام بنایا جاتے اور تمام تخلیقی، تحقیقی اور

---

[1] القرآن، الغاشیہ ۲۱، [2] رواہ البخاری [3] رواہ احمد [4] رواہ البخاری [5] القرآن۔ سورۃ الانفال۔ ۶۵۔

Marfat.com

فکری صلاحیتوں کو اللہ کے دین کی تشریح و تعبیر میں صرف کیا جائے، دشمنانِ دینِ متین کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات اور مسلمانوں کے اذہان میں پیدا کئے گئے شکوک و شبہات کو قرآن کی تعلیمات سے دور کرنے کی کاوش کی جائے اور دین کی حقانیت کو ثابت کیا جائے۔ ربِ کائنات نے اپنی کتابِ ہدایت میں غالباً اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

۱۔ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔[۱]

"پس اے نبی! کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو ساتھ لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو"

۲۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[۲]

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"

جہاد بالعلم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قتال (جنگ، فی سبیل اللہ) کے لئے بہترین منصوبہ بندی کرنے کی اعلیٰ ترین اہلیت حاصل کی جائے۔ دشمنانِ دین کی جنگی حکمتِ عملی کا ادراک حاصل کیا جائے، جدید ترین ہتھیاروں کی تیاری اور ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے نہ صرف علمی و فکری کوشش اور جدوجہد کی جائے بلکہ اس میدان میں بھی پیشرفت اور دشمن کو حیرانی میں ڈالنے والی حکمتِ عملی کو اپنایا جائے اور ہمہ جہت تیاری کے اس معیار کو حاصل کیا جائے جہاں دشمن ہیبت زدہ ہو جائے اور مرعوب ہو کر بیٹھ جائے غالباً پروردگارِ عالم نے اپنی تعلیمات میں اسی معیار کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[۱] القرآن الکریم۔ سورۃ الفرقان۔ ۵۲۔ [۲] القرآن الکریم۔ سورۃ النحل۔ ۱۲۵

Marfat.com

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ[1]

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو۔"

**جہاد بالسیف:۔** جہاد بالسیف یعنی تلوار کے ذریعہ جہاد۔ قرآن میں اس کے لئے قتال فی سبیل اللہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، قتال جہاد فی سبیل اللہ کی وہ انتہائی کڑی ہے جہاں اللہ اپنے بندوں سے اقامتِ دین اور غلبۂ دین کے لئے جان کی بازی لگانے کا مطالبہ کرتا ہے اور بندگانِ خدا اپنے پروردگار کی اس پکار پر لبیک کہتے ہیں اور خدا کی زمین سے دشمنانِ دین کے فتنہ و فساد اور ظلم و عدوان کو مٹانے اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں اترتے ہیں اور ایک سرجن کی طرح جو انسانی صحت کے لئے انسانی جسم کے متاثرہ حصوں کا اپریشن کرتا ہے اور فاسد مواد کو کاٹ پھینکتا ہے، اسی طرح مومن عالمِ انسانیت میں طاغوت اور ظلم و ناانصافی کے پیدا شدہ ناسور کے لئے مقاتلہ کا اپریشن کرتا ہے تاکہ خدا کی دھرتی پر انسانی معاشرہ میں رحمت و شفقت کی بہار آئے، اطاعت و بندگی کی ہوائیں چلیں اور عدل و انصاف کی ایسی مہک پھیلے کہ ہر چھوٹا بڑا آرام و سکون اور راحت و اطمینان کی زندگی کی بہاریں لوٹے۔ اس لئے اگر سرجن کے اپریشن کو مریض کی خیر خواہی سے تعبیر کیا جاتا ہے تو قتالِ فی سبیل اللہ انسانیت کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود پر بدرجۂ اتم دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں موجود برائیوں اور ظلم و عدوان ہی کا صرف قلع قمع نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی باطنی اور روحانی امراض سے بھی اسے نجات دلائی جاتی

---

[1] القرآن الکریم۔ سورۃ الانفال:۔ ۶۰۔

Marfat.com

ہے اور وہ مادیت سے نکال کر روحانیت کی معراج سے ہم کنار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قتال فی سبیل اللہ کو امتِ مسلمہ پر فرض کیا گیا ہے کیونکہ قتال ہی حقیقت میں امت کی حیات وزلیست اور بقا کا ضامن ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[1]

"تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار گزرے اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔"

"قتال فی سبیل اللہ کا حکم بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی کا ہے کیونکہ اس کے ساتھ بھی فی سبیل اللہ کی قید ہے۔ اس لئے مسلمان میدانِ کارزار میں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے نکلتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر نہ تو مال و دولت کا حصول ہوتا ہے نہ ہی ہوسِ ملک گیری ہی اسے میدان میں لاتی ہے اور نہ ہی وہ ذاتی شہرت و ناموری کے خاطر ہی میدانِ جنگ میں اترتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر صرف اعلائے کلمۃ اللہ کا عظیم مشن ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے اپنی زندگی اور موت اور اپنی تمام توانائیوں کو اس کام میں لگا دیتا ہے۔ اور یہی نصب العین ہے جو اہلِ ایمان کو دیا گیا ہے ارشادِ ربانی ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ[2]

"کہو میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔"

قتال فی سبیل اللہ میں اللہ کے جو بندے مذکورہ بالا عظیم نصب العین کے لئے

---

[1] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ۔ ۲۱۶ [2] القرآن الکریم، سورۃ الانعام۔ ۱۶۲

Marfat.com

حصہ لیتے ہیں وہ مجاہدین کہلاتے ہیں، اس قتال میں اللہ کے جو بندے اپنی جانیں جانِ آفریں کے سپرد کرتے ہیں وہ شہید کہلاتے ہیں جو حیاتِ جاوداں کی نعمت پاتے ہیں اور اللہ کے باغات سے رنگارنگ رزق دیئے جاتے ہیں مگر شہید کی زندگی کا صحیح ادراک اس جہان کے انسان کی عقل حاصل کرنے سے قاصر ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن میدانِ قتال میں شہادت کی تمنا لئے ہوئے اترتا ہے۔ اللہ کے جو بندے میدانِ قتال میں سے فتح یاب ہو کر واپس لوٹتے ہیں انھیں غازی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ قتال کی غرض و غایت کو اس شعر میں نمایاں کیا گیا ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اس عظیم تمنا کو لے کر جو مجاہدین میدان قتال میں اترتے ہیں، انھیں اپنی اس جدوجہد کو اُس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ دین صرف اللہ کے لئے نہ ہو جائے، یعنی جب تک دشمن ہتھیار نہ ڈال دے اور کفار اللہ کی نافرمانی اور ظالم اپنے ظلم سے رُک نہیں جاتا یا مجاہد اللہ کی راہ میں جان قربان نہ کر دے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

(ا) وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ[۱]

"اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔"

ارشادِ نبوی ہے۔

(ب) وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَاُقْتَلَ ثُمَّ اَغْزُوَا فَاُقْتَلَ ثُمَّ اَغْزُوَا فَاُقْتَلَ[۲]

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ

---

[۱] القرآن الکریم۔ سورۃ الانفال۔ ۳۹ [۲] رواہ البخاری۔

Marfat.com

کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں اور مارا جاؤں۔"

**فضیلتِ جہاد:۔** مسلمان کی پوری زندگی ہی چونکہ جہاد سے عبارت ہے اس لئے اس کی بڑی فضیلت ہے، قرآن مجید کی آیات اور احادیثِ نبویؐ کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی ہے اس لئے یہاں ان تمام کا تذکرہ ممکن نہیں، یہاں صرف چند ایک آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ پاک نے اہلِ ایمان سے ان کی جانوں کا سودا کر لیا ہے لہٰذا ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ کی امانتوں کو اس کی راہ میں قربان کر دیں جس کا بدلہ انھیں جنت اور حیاتِ جاوداں کی صورت میں دیا جائے گا۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ قف[1]

"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس وہ مارتے ہیں اور مرتے (شہید ہوتے) ہیں۔"

۲۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔[2]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

۳۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

---

[1] القرآن الکریم، سورۃ التوبہ۔ ۱۱۱ [2] القرآن الکریم سورۃ الصف۔ ۱۰، ۱۱

Marfat.com

دَرَجَۃً ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۙ

"اللہ پاک نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے ساتھ اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے"۔

۴۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مستعد رہنے اور مجاہدہ پر کمربستہ ہونے کے مقابلہ میں جو لوگ دنیوی آرام وآرائش اور سامانِ عیش کو ترجیح دیتے ہیں، اُن کے لئے اللہ کی سخت وعید ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ؕ[2]

"ان سے کہہ دو اگر تمہیں اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندے پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا ہوا ہے اور وہ گھر بار جنھیں تم پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو بیٹھے انتظار کرتے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا کام پورا کرے، یقین رکھو کہ اللہ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا"۔

۵۔ جو لوگ دنیاوی لذات اور بندشوں سے خود کو آزاد کر کے اللہ کی راہ پر ڈال دیتے ہیں تو اللہ ایسے مجاہدین کے عزائم اور ارادوں میں برکت دے دیتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم سورۃ النساء۔ ۹۵ [2] القرآن الکریم سورۃ التوبہ۔ ۲۴

Marfat.com

انھیں استقامت کی دولت عطا کرتے ہیں اور انھیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مجاہد اپنی منزل کو سامنے دیکھ کر پُر امید اور پُر اعتماد ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مشن کی سچائی کا یقین ہو جاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [۱]

"جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے، انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔"

جہادِ فی سبیل اللہ کی یہی فضیلت ہے جس کی بنا پر اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے اور غور سے دیکھا جاتے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہی چیز تمام فضائل و مکارم اخلاق کی رُوح ہے۔ انسان کی یہ اسپرٹ کہ وہ بدی کو کسی حال میں برداشت نہ کرے اور اسے دفع کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتے، انسانی شرافت کی سب سے اعلیٰ اسپرٹ ہے اور عملی زندگی کی کامیابی کا راز بھی اسی اسپرٹ ہی میں مضمر ہے۔ جو شخص دوسروں کے لئے بدی کو برداشت کرتا ہے اس کی اخلاقی کمزوری اسے بالآخر اس پر بھی آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ خود اپنے لئے بدی کو برداشت کرنے لگے اور جب اس میں برداشت کا یہ مادہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر اس پر ذلت کا وہ درجہ آتا ہے جسے خدا نے اپنے غضب سے تعبیر کیا ہے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [۲]

"ذلت وخواری، پستی و بدحالی اُن پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے"

اس درجہ میں پہنچ کر آدمی کے اندر شرافت و انسانیت کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا وہ جسمانی و مادی غلامی ہی نہیں بلکہ ذہنی و روحانی غلامی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور

---

[۱] القرآن الکریم ، سورۃ العنکبوت - ۶۹ [۲] القرآن الکریم سورۃ البقرۃ - ۶۱ -

Marfat.com

کمینگی کے ایسے گڑھے میں گرتا ہے جہاں سے اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جس شخص میں یہ اخلاقی قوت موجود ہو کہ وہ بدی کو محض بدی ہونے کے باعث بُرا سمجھے اور انسانی برادری کو اس سے نجات دلانے کے لئے ان تھک جدوجہد کرتا رہے وہ ایک سچا اور اعلیٰ درجے کا انسان ہوتا ہے اور اس کا وجود عالم انسانی کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہے دنیا سے کسی معاوضہ کی خواہش نہ ہو مگر دنیا ان تمام ناشکریوں کے باوجود جن کے داغ ان کی پیشانی پر موجود ہیں، اتنی احسان ناشناس نہیں ہے کہ وہ اس خادمِ انسانیت کو اپنا سرتاج، اپنا امام اور اپنا سردار تسلیم نہ کر لے جو بے لاگ، بے امید و رجائے اجر و بے تمنائے مزد اُسے بدی کے تسلط سے چھڑانے اور اخلاقی و روحانی اور مادی آزادی عطا کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دے اسی سے اس آیت کے معنی سمجھ میں آتے ہیں جس میں یہ فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ[1]

"حقیقت یہ ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"

اور یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس سے محض آخرت ہی کی کامیابی مراد نہیں ہے بلکہ دنیا کی کامیابی بھی حقیقۃً انہی لوگوں کے لئے ہے جو نفسانی اغراض سے پاک ہو کر خالصۃً اللہ کی خوشنودی اور اللہ کے بندوں کی بھلائی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔[2]

☆

---

[1] القرآن الکریم سورۃ الانبیاء۔ ۱۰۵ [2] الجہاد فی الاسلام، ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۴۶

Marfat.com

# آیاتِ صلوٰۃ

۱۔ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝ (طٰہٰ۔۱۴)

۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر۔۲)

۳۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ (العنکبوت۔۴۵)

۴۔ حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ ۝ (البقرہ۔۲۳۸)

۵۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ۝ (النساء۔۱۰۳)

۶۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ (الانعام۔۱۶۲)

۷۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ۝ (المؤمنون۔۱،۲)

Marfat.com

Marfat.com

# الصّلوٰۃ

**تعارف**:۔ ۱۔ نماز اسلام کی عبادت کا پہلا رکن ہے جو امیر و غریب، بوڑھے، جوان، عورت، مرد، بیمار و تندرست سب پر یکساں فرض ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔ اگر اس فرض کو کھڑے ہو کر نہیں ادا کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو، اگر اس کی بھی قدرت نہیں ہے تو لیٹ کر ادا کر سکتے ہو، اگر منہ سے نہیں بول سکتے ہو تو اشاروں سے ادا کرو۔ اگر رک کر نہیں پڑھ سکتے تو چلتے ہوتے پڑھو، اگر کسی سواری پر سوار ہو تو جس طرف وہ چلے اسی رُخ پڑھو۔

۲۔ نماز کے لئے اصلی عربی لفظ صلوٰۃ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی عربی اور عبرانی زبانوں میں دعا کے ہیں، اسی لئے نماز کی لفظی حقیقت خدا سے درخواست اور التجا ہے اور اس کی معنوی حقیقت بھی یہی ہے۔ آنحضرتؐ نے بھی نماز کی یہی تشریح فرمائی ہے۔ نماز کیا ہے؟ مخلوق کا اپنے دل، زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار۔ اس رحمان و رحیم کی یاد اور اس کے بے انتہا احسانات کا شکریہ حسنِ ازل کی حمد و ثنا۔ اور اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار، یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے، یہ اپنے آقا کے حضور میں جسم و جان کی بندگی ہے، یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز ہے۔ یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے، یہ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا شیرازہ ہے۔ یہ بے قرار روح کی تسکین، مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس دل کی دوا ہے، یہ فطرت کی آواز ہے۔ یہ حساس و اثر پذیر طبیعت کی اندرونی پکار ہے۔ یہ زندگی کا حاصل اور ہستی کا خلاصہ ہے۔

۳۔ کسی غیر مرئی طاقت کے آگے سرنگوں ہونا اس کے حضور میں دعا و فریاد کرنا اور

Marfat.com

اور اس سے مشکلوں میں تسلی پانا انسان کی فطرت ہے۔ قرآن نے جا بجا انسانوں کی اس فطری حالت کا نقشہ کھینچا ہے اور پوچھا ہے کہ جب تم پر مصیبتیں آتی ہیں جب سمندر میں طوفان اٹھتا ہے اور تمہارا جہاز بھنور میں پھنستا ہے تو خدا کے سوا کون ہوتا ہے جسے تم پکارتے ہو؟ چنانچہ دنیا کے ہر آسمانی مذہب میں خدا کی یاد کا حکم اور اس کی یاد کے کچھ مراسم ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس نے اپنی امت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو اور اس کی تاکید نہ کی ہو۔ سورۂ مریم میں تمام انبیائے کرام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ

(سورۃ مریم - ۵۹)

"ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کر دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی"

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم خداوندی ہوا انھیں فرمایا گیا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ - ۱۴)

"میری یاد کے لئے نماز قائم کر"

یہاں نماز کی اصلی غرض پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہو جائے دنیا کے دھوکہ دینے والے مظاہر اس کو اس حقیقت سے بے خبر نہ کر دیں کہ میں کسی کا بندہ ہوں، آزاد و خود مختار نہیں ہوں۔ اس فکر کو تازہ رکھنے اور خدا سے آدمی کا تعلق جوڑے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے۔ جو ہر روز کئی بار آدمی کو دنیا کے ہنگاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بھی لیا ہے کہ نماز قائم کر تاکہ میں تجھے یاد کروں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔

Marfat.com

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔

"مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا"

**اقامت صلوٰۃ**:۔ نماز پڑھنے کے لئے قرآنِ پاک میں جا بجا اقامت صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی صرف نماز پڑھنے کے نہیں بلکہ نماز کو اس کے آداب اور ارکان و سنن کے ساتھ ادا کرنے کے ہیں چنانچہ خوف کی حالت میں جہاں نماز کے بعض ارکان و آداب و شرائط کو معاف کر دیا گیا ہے اس کے بعد ہی یہ کہا گیا ہے۔

فَاِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (النساء۔۱۰۳)

"پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز کو قائم کرو"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو قائم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو اس کے تمام آداب و ارکان و شرائط کے ساتھ بجا لایا جائے۔ اس بناء پر نماز میں اطمینان ارکان کا اعتدال باطنی خضوع و خشوع ملحوظ رہنا چاہیئے جس کے بغیر نماز ناقص رہتی ہے مزید برآں اجتماعی طور پر نماز کا نظام باقاعدہ قائم کیا جائے۔ اگر کسی بستی میں ایک شخص انفرادی طور پر نماز کا پابند ہو لیکن جماعت کے ساتھ اس فرض کے ادا کرنے کا نظم نہ ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں نماز قائم کی جا رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو۔ بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے (احمد، ابو داؤد، نسائی)

۶۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کو اپنی اُمتوں کے لئے نماز کی تعلیم دی گئی تھی۔ آنحضرتؐ کو ارشادِ ربانی ہوا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر)

Marfat.com

"پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر"

اس سے پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے گمانِ باطل کے خلاف کوثر یعنی دنیا و آخرت کی ہر خیر کثیر مقدار میں عطا فرمانے کی خوشخبری سنانے کے بعد اس کے شکر کے طور پر آپؐ کو دو چیزوں کی ہدایت کی ہے۔ ایک نماز دوسری قربانی، نماز بدنی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور قربانی مالی عبادتوں میں۔ اس بنا پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے شعار کے خلاف ایک جہاد بھی ہے۔ یہ حکم اس ماحول میں دیا گیا تھا جب مشرکینِ قریش ہی نہیں تمام عرب کے مشرکین اور دنیا بھر کے مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور انہی کے آستانوں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ پس حکم کا منشا یہ ہے کہ مشرکین کے برعکس تم اپنے اسی رویہ پر مضبوطی سے قائم رہو کہ تمہاری نماز بھی اللہ کے لئے ہو اور قربانی بھی اسی کے لئے ہو۔

**اقامتِ نمازحسبِ اوقات** :- ۷۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ٭ (النساء ۱۰۳)

"بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔"

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کا ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو میں اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کا اہتمام نہ کرے مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ۔

مَنْ جَمَعَ بَيْنَ صَلٰوتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰى بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْكَبَائِرِ ٭

Marfat.com

"جس نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر آگیا"

حق تو یہ تھا کہ انسان بھی فرشتوں کی طرح شب و روز صرف دُعا و نماز میں مصروف رہتا۔ مگر انسان کی فطری و نوعی ضرورتوں کے سبب سے ایسا ہونا ممکن اور مناسب نہ تھا۔ اس لئے شریعت نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اس کے چند مناسب اوقات مقرر کر دیئے۔ ہر انسان ہر روز مختلف قسم کے کاموں میں اپنی عمر کے یہ چوبیس گھنٹے بسر کرتا ہے صبح کو بیدار ہوتا ہے، دوپہر تک کام کر کے تھوڑی دیر سستاتا ہے، پھر سہ پہر تک وہ اپنا بقیہ کام انجام دیتا ہے اور اس کو ختم کر کے سیر و تفریح اور دلچسپ مشاغل میں دل بہلاتا ہے، شام ہوتی ہے تو گھر آکر خانگی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور کھا پی کر تھوڑی دیر کے بعد طویل آرام اور غفلت کی نیند کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اسلامی نمازوں کے اوقات پر ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے روزانہ کے ان مختلف انسانی مشاغل کے ہر آغاز پر ایک نماز رکھی ہے تاکہ پورے اوقات خدا کی یاد ہی میں شمار ہوں۔ ظہور نور کے وقت جب صبح کی نسیم سحری حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا نغمۂ جانفزا سناتی ہے، اور ہر شے کی زبان سے عالم کے صانع کی تسبیح و تحمید کا ترانہ بلند ہوتا ہے تو یہ وقت غافل انسانوں کے سر جھکانے کے لئے بھی نہایت موزوں ہے، کہ کتابِ زندگی میں حیاتِ امروزہ کا ایک نیا ورق اس لئے مناسب ہے کہ اس دن کے کارناموں کی لوح پر سب سے پہلے سجدۂ نیاز کا طغرہ نقش ہو۔ اس کے بعد انسان اپنی محنت و مشقت کا آغاز کرتا ہے اور دوپہر تک اس میں مصروف رہتا ہے۔ دوپہر کو روزانہ کاروبار کا نصف حصہ ختم کر کے آدمی تھوڑی دیر کے لئے آرام کرتا ہے، اس موقعہ پر بھی اس کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ دن کا آدھا کام بخیر و خوبی ختم ہو گیا، پھر سہ پہر جب اپنے اس دن کا کام ختم کر کے سیر و تفریح اور ذاتی آرام کے کام شروع ہوتے ہیں تو یہ وقت بھی ایک دفعہ خدا کا نام لینے کا ہے

Marfat.com

اس کے بعد شام ہوتی ہے جو دنیا کے انقلاب کا دوسرا منظر پیش کرتی ہے۔ دن بھر کے کاموں کے بعد اب آرام و سکون کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا سرنامہ بھی عبودیت کا سجدہ ہو، پھر سوتے وقت جب انسان اپنی با احساس زندگی سے کچھ دیر کے لئے بے خبر ہونے لگتا ہے تو مناسب ہے کہ وہ خدا کا نام لے کر اس جہان سے بے خبر ہو۔ کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس وقت کی ان بند آنکھوں کو پھر کبھی کھلنا نصیب ہوگا۔ اسی طرح آخر عمر تک روزانہ کام کے یہ پہیے اپنی جگہ پر گھومتے رہتے ہیں[1] فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اس گردش کا حصہ ہیں۔

**نگہداشت صلوٰۃ** :۔ ۸۔ قرآن پاک میں نماز کی پابندی، نگہداشت اور مداومت کے لئے ایک خاص لفظ محافظت کا استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنےٰ نگرانی کے ہیں اور جس کی وسعت میں پابندی سے ادا کرنا، وقت پر ادا کرنا اور شرائط کے مطابق ادا کرنا سب داخل ہیں۔ فرمایا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ۔ ۲۳۸)

"اپنی نمازوں کی حفاظت رکھو خصوصًا ایسی نماز کی جو محاسنِ صلوٰۃ کی جامع ہو اور اللہ کے آگے ایسے کھڑے رہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں"

اوقاتِ نماز کے تعین کے بعد نماز کی نگہداشت کا حکم دیا جا رہا ہے، خاص طور پر درمیانی نماز کی نگہبانی کو بیان کیا گیا۔ درمیانی نماز سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک عصر کی نماز ہے اس وقت دنیاوی مشغولیت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا خصوصی طور پر اس کی حفاظت و نگہبانی کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض نے اس سے مراد بہترین نماز لی ہے جو محاسنِ نماز کی جامع ہو۔

**فلاح وکامیابی** :۔ نمازوں کی محافظت اور خشوع کے ساتھ ساتھ ان کی ادائیگی کو ایمان داروں کی کامیابی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

---

[1] دن میں فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی پانچ نمازیں فرض ہیں۔ فجر طلوع آفتاب سے قبل، ظہر زوال کے، عصر غروب آفتاب سے قبل، مغرب غروب آفتاب کے بعد اور عشاء رات کی تاریکی جب پوری

Marfat.com

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔

(المؤمنون - ۱، ۲)

"یقیناً ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں فلاح پائی ہے"۔

فلاح کے معنی ہیں کامیابی و خوشحالی۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے، جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ افلح الرجل کے معنی ہیں فلاں شخص کامیاب ہوا اپنی مراد کو پہنچا۔ آسودہ و خوشحال ہوا۔ اس کی کوشش بارآور ہوئی، اس کی حالت اچھی ہو گئی۔ قد افلح، یقیناً فلاح پائی۔ آغاز کلام ان الفاظ سے کرنے کا معنی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک وہ ماحول نگاہ میں نہ رکھا جائے جس میں یہ تقریر کی جا رہی تھی اس وقت ایک طرف دعوتِ اسلامی کے مخالف سردارانِ مکہ تھے۔ جن کی تجارتیں چمک رہی تھیں، جن کے پاس دولت کی ریل پیل تھی جن کو دنیوی خوشحالی کے سارے لوازم میسر تھے اور دوسری طرف دعوت اسلامی کے پیرو تھے جن میں سے اکثر تو پہلے ہی غریب اور خستہ حال تھے اور بعض جو اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے یا اپنے کاروبار میں پہلے کامیاب تھے ان کو بھی قوم کی مخالفت نے بدحال کر دیا تھا۔ اس صورتحال میں جب تقریر کا آغاز اس فقرے سے کیا گیا کہ یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے، تو اس سے خود بخود یہ مطلب نکلا کہ تمہارا معیارِ فلاح و خسران غلط ہے، تمہارے اندازے غلط ہیں، تمہاری نگاہ دور رس نہیں ہے، تم اپنی جس عارضی و محدود خوشحالی کو فلاح سمجھ رہے ہو وہ فلاح نہیں خسران ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو جو تم ناکام و نامراد سمجھ رہے ہو وہ دراصل بامراد و کامیاب ہیں۔ اس دعوتِ حق کو مان کر انہوں نے خسارے کا سودا نہیں کیا، بلکہ وہ چیز پائی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کو پائیدار خوشحالی سے ہم کنار کرے گا۔ اور اسے رد کر کے دراصل خسارے کا سودا تم نے کیا ہے جس کے برے نتائج تم یہاں بھی دیکھو گے اور دنیا سے گزر کر دوسری زندگی میں بھی

Marfat.com

دیکھتے رہو گے۔

**خشوع**:۔ خشوع کے اصل معنی ہیں کسی کے آگے جھک جانا، دب جانا، اظہار عجز و انکسار کرنا۔ اس کیفیت کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم کی ظاہری حالت سے بھی دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت اور عظمت و جلال سے مرعوب ہو اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اس کے سامنے جاتے تو سر جھک جائے۔ اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں، نگاہ پست ہو جائے، آواز دب جاتے اور ہیبت زدگی کے وہ سارے آثار اس پر طاری ہو جائیں جو اس حالت میں فطرتاً طاری ہو جایا کرتے ہیں۔ جب کہ آدمی کسی زبردست یا جبروت ہستی کے حضور پیش ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب جبرائیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں ایک مجمع میں احسان یعنی اخلاص کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

"کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اس کو نہ دیکھ پاتے تو وہ یقیناً تجھے دیکھتا ہے۔"

یہ تصور خشوع کی بنیاد ہے۔ جب ایک عابد اپنے رب کے سامنے اس تصور سے کھڑا ہو گا اور اسے احساس ہو گا کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے تو یقیناً اس کا ہر ہر عضو خدا کے سامنے عاجزی کی تصویر بنے گا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور ساتھ ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتا ہے اس پر آپؐ نے فرمایا۔

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ۔

"اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم پر خشوع طاری ہوتا۔"

اگرچہ خشوع کا تعلق حقیقت میں دل سے ہے اور دل کا خشوع خود بخود جسم پر

Marfat.com

ظاہری ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ابھی معلوم ہوا لیکن شریعت میں نماز کے کچھ ایسے آداب بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں جو ایک طرف قلبی خشوع میں مددگار ہوتے ہیں، اور دوسری طرف خشوع کی گھٹتی بڑھتی کیفیات میں فعل نماز کو کم از کم ظاہری حیثیت سے ایک معیار خاص پر قائم رکھتے ہیں۔ ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی دائیں بائیں نہ مڑے اور نہ سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھے، نماز میں ہلنا اور مختلف سمتوں میں جھکنا بھی ممنوع ہے۔ کپڑوں کو بار بار سمیٹنا یا ان کو جھاڑنا یا ان سے شغل کرنا بھی ممنوع ہے اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت آدمی اپنے بیٹھنے کی جگہ یا سجدے کی جگہ صاف کرنے کی کوشش کرے، تن کر کھڑے ہونا بہت بلند آواز سے کڑک کر قرأت کرنا یا قرأت میں گانا بھی آدابِ نماز کے خلاف ہے۔ زور زور سے جمائیاں لینا، اور ڈکاریں مارنا بھی نماز میں بے ادبی ہے۔ جلدی جلدی نماز پڑھنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے حکم یہ ہے کہ نماز کا ہر فعل پوری طرح سکون اور اطمینان سے ادا کیا جاتے اور ایک فعل مثلاً رکوع یا سجود یا قیام یا قعود جب تک مکمل نہ ہو، دوسرا فعل شروع نہ کیا جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کر لے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا، ارشاد فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے نہ کرے۔

ان ظاہری آداب کے ساتھ یہ چیز بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ آدمی نماز میں جان بوجھ کر غیر متعلق باتیں سوچنے سے پرہیز کرے۔ بلا ارادہ خیالات ذہن میں آتیں اور آتے رہیں تو یہ نفسِ انسانی کی ایک فطری کمزوری ہے۔ لیکن ایک آدمی کی پوری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ نماز کے وقت اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور جو کچھ وہ زبان سے کہہ رہا ہو وہی دل سے بھی عرض کرے۔ اس دوران میں اگر بے اختیار دوسرے خیالات آجائیں تو جس وقت بھی آدمی کو ان کا احساس ہو اسی وقت اسے اپنی توجہ ان سے ہٹا

Marfat.com

کہ نماز کی طرف پھیر لینی چاہیئے[1]

ایک بندہ اپنے خالق کے سامنے بندگی کے لئے اپنی جبین جھکاتا ہے تو گویا وہ خدا کے سامنے اس بات کا عہد کرتا ہے کہ ہر قسم کی عبادت، صرف اور صرف خالق کا حق ہے۔ اس کی بدنی عبادت، مالی عبادت اور زبانی عبادت صرف اللہ کے لئے ہو گی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ کی طرف سے قرآن پاک میں اعلان کرایا جارہا ہے

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٭

(الانعام۔۱۶۳)

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہو میری نماز، میری قربانی (میرے تمام مراسم عبودیت) میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔"

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملت ابراہیم اور ملت اسلام کی اصل روح کی تعبیر کرائی گئی ہے۔ نماز اور قربانی، زندگی اور موت دونوں میں غور کیجئے۔ نہایت حسین تقابل ہے۔ نماز کے مقابل میں زندگی اور قربانی کے مقابل میں موت ہے یہ اشارہ ہے کہ جو اس ملت پر ہے وہ جیتا ہے تو خدا کے لئے اور مرتا ہے تو خدا کے لئے۔ اس کی زندگی میں کوئی تقسیم نہیں ہے۔ یہ ابتداء سے انتہا تک بالکل ہم رنگ اور ہم آہنگ ہے۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ خدا کا کوئی ساجھی نہیں، اس وجہ سے بندے کی زندگی میں بھی کوئی ساجھی نہیں۔ یہ پوری کی پوری بغیر کسی تقسیم و تجزیہ اور بغیر کسی تحفظ و استثناء کے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہے۔ اصل میں لفظ نُسُک استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی قربانی کے بھی ہیں اور اس کا اطلاق عمومیت کے ساتھ بندگی و پرستش کی دوسری تمام صورتوں پر بھی ہوتا ہے۔

نماز کے تمام حقوق آداب کا خیال رکھتے ہوئے نماز پڑھی جاتے تو ایسی نماز کے معاشرے میں خارجی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خاص طور پر نماز پڑھنے والا اللہ کا مطیع

---

[1] اس کے لئے نماز میں پڑھے جانے والے کلمات، تسبیحات و تکبیرات کا ترجمہ یاد کرنا ضروری

بنتا ہے اور برائی و بے حیائی کے کاموں سے بچتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (العنکبوت۔ ۴۵)

"اور یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور البتہ خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔"

مکہ کے اس ماحول میں جہاں مسلمانوں کو شدید مزاحمتوں کا سامنا تھا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے انھیں مادی طاقت سے بڑھ کر اخلاقی طاقت درکار تھی، یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ وہ ذریعہ ہے جس سے تم لوگ ان برائیوں سے پاک ہو سکتے ہو جن میں اسلام قبول کرنے سے پہلے تم خود مبتلا تھے۔ اور جن میں تمہارے گرد و پیش اہل عرب کی اور عرب سے باہر کی جاہلی سوسائٹی اس وقت مبتلا ہے۔ اس حالت میں اس بگڑے ہوئے معاشرے کے اندر کسی ایسی تحریک کا اٹھنا جس سے وابستہ ہوتے ہی اسی معاشرے کے افراد اخلاقی طور پر بدل جائیں اور اپنی سیرت و کردار میں اپنے ہم عصروں سے نمایاں طور پر بلند ہو جائیں، لامحالہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ قرآن نے اس موقع پر مسلمانوں کو مادی وسائل اور طاقتیں فراہم کرنے کے بجائے نماز قائم کرنے کی تلقین کی تاکہ یہ مٹھی بھر انسان اخلاق کی وہ طاقت اپنے اندر پیدا کر لیں جو لوگوں کے دل جیت لے اور تیر و تفنگ کے بغیر دشمنوں کو شکست دے دے۔

نماز کی یہ خوبی جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے، اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا وصفِ لازم ہے یعنی یہ کہ وہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اور دوسرا اس کا وصف مطلوب ہے یعنی یہ کہ اس کا پڑھنے والا واقعی فحشاء اور منکر سے رک جائے جہاں تک روکنے کا تعلق ہے، نماز لازماً یہ کام کرتی ہے۔ جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر ذرا سا غور کرے گا وہ تسلیم کرے گا کہ انسان کو برائیوں سے روکنے کے لئے جتنے بریک ... لگانے ممکن

بس ان میں سب سے زیادہ کارگر بریک نماز ہی ہو سکتی ہے۔ آخر اس سے بڑھ کر مؤثر مانع اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کو ہر روز دن میں پانچ وقت خدا کی یاد کے لئے بلایا جائے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ کی جائے کہ تو اس دنیا میں آزاد و خود مختار نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے اور تیرا خدا وہ ہے جو تیرے کھلے اور چھپے تمام اعمال سے حتیٰ کہ تیرے دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے واقف ہے اور ایک وقت ایسا ضرور آنا ہے جب تجھے اس خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی۔ نماز کے ذریعے اس کو عملاً اس بات کی مشق بار بار کرائی جا رہی ہے کہ وہ خود اپنے جذبۂ اطاعت کے زیر اثر خفیہ اور اعلانیہ ہر حال میں اس قانون کی پابندی کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے خواہ خارج میں اس سے پابندی کرانے میں کوئی طاقت موجود ہو یا نہ ہو اور خواہ دنیا کے لوگوں کو اس کے عمل کا حال معلوم ہو یا نہ ہو۔

اب رہا یہ سوال کہ آدمی نماز کی پابندی اختیار کرنے کے بعد عملاً بھی برائیوں سے رکتا ہے یا نہیں، تو اس کا انحصار خود اس آدمی پر ہے جو اصلاحِ نفس کی یہ تربیت لے رہا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی نیت رکھتا ہو اور اس کی کوشش کرے تو نماز کے اصلاحی اثرات اس پر مرتب ہوں گے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی تدبیر بھی اس شخص پر کارگر نہیں ہو سکتی جو اس کا اثر قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہو۔ یا جان بوجھ کر اس کی تاثیر کو دفع کرتا رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے غذا کی لازمی خاصیت بدن کا تغذیہ اور نشو و نما، لیکن یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اسے جزوِ بدن بننے دے۔ اگر کوئی شخص ہر کھانے کے بعد فوراً ہی قے کر کے ساری غذا باہر نکالتا چلا جائے تو اس طرح کا کھانا اس کے لئے کچھ نافع نہیں ہو سکتا جس طرح ایسے شخص کی نظیر لا کر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ غذا موجبِ تغذیۂ بدن نہیں ہے کیونکہ فلاں شخص کھانا کھانے کے باوجود سوکھتا جا رہا ہے اسی طرح بدعمل نمازی کی مثال پیش کر کے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز برائیوں سے روکنے والی

Marfat.com

نہیں ہے۔ کیونکہ فلاں شخص نماز پڑھنے کے باوجود بدعمل ہے۔ ایسے نمازی کے متعلق تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ درحقیقت نماز نہیں پڑھتا۔ جیسے کھانا کھا کر قے کر دینے والے کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ درحقیقت کھانا نہیں کھاتا۔ ٹھیک یہی بات ہے جو متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض اکابر صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهٗ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ.

"جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نہیں"

ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز نے اسے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ ابن مسعودؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يُطِعِ الصَّلٰوةَ وَطَاعَةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ.

"اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحش اور منکر سے رک جاتے"

امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں اسے دیکھنا چاہیئے کہ اس کی نماز نے اسے فحشا۔ اور منکر سے کہاں تک باز رکھا اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا ہے تو اس کی نماز قبول ہوتی ہے

(روح المعانی)

۱۷۔ درمنثور میں منقول ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے چوری کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو اس فعل

Marfat.com

سے عنقریب ہی روک دے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بُری باتوں میں مشغول ہو تو اس کو اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ بُری باتیں اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گی۔

۱۸۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔

"البتہ خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے"

کہ اللہ کی یاد بجائے خود بہت بڑی چیز ہے خیر الاعمال ہے انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے اس کو یاد کرنے سے زیادہ بڑی چیز ہے۔ قرآن میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ ۵۲)

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا"

پس جب بندہ نماز میں اللہ کو یاد کرے گا تو لامحالہ اللہ بھی اس کو یاد کرے گا اور یہ فضیلت کہ اللہ کسی بندے کو یاد کرے اس سے برتر ہے کہ بندہ اللہ کو یاد کرے۔ ایک اور لطیف مطلب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یاد نماز تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جب آدمی روزہ رکھتا ہے یا زکوٰۃ دیتا ہے یا کوئی نیک کام کرتا ہے تو لامحالہ اللہ کو یاد ہی کرتا ہے تبھی تو اس سے وہ نیک عمل صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی کسی بُرائی کے مواقع سامنے آنے پر اس سے پرہیز کرتا ہے تو یہ بھی اللہ کی یاد ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے یادِ الٰہی ایک مومن کی پوری زندگی پر حاوی ہوتی ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلمان میں اسی لئے نمازی

Marfat.com

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ ؕ

نماز دین کا ستون ہے (الحدیث)

اسلام کے پانچ ارکان ہیں، کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔

نماز ایک قدیم عبادت ہے۔ کسی رسول کی شریعت اس سے خالی نہیں رہی ہماری نماز اللہ تعالےٰ کی عبادت و بندگی کا وہ خاص طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مسلمانوں کو سکھایا ہے۔ توحید اور رسالت کے اقرار (کلمہ طیبہ) کے بعد نماز اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے۔

نماز ہر عاقل، بالغ، مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں، جن کا ادا کرنا لازمی ہے۔ اور عذر شرعی کے بغیر ترک کرنے پر قضا لازمی ہے۔

## طہارت

**غسل:**- وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ (پارہ ۵ رکوع ۶)

اور اگر تم جنابت (ناپاکی) کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔

**غسل کی ترکیب:**- یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوؤ، پھر استنجے کی جگہ پھر بدن پر جس جگہ نجاست لگی ہو پھر وضو کرو۔ وضو کے بعد سر پہ پانی ڈالو اور پھر سارے بدن کو اچھی طرح صاف کرکے پانی بہاؤ۔

**غسل میں تین باتیں فرض ہیں:**- (۱) خوب منہ بھر کر کلی کرنا (۲) ناک میں پانی دینا (۳) تمام بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دی اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا ناپاکی کی حالت میں دل اور زبان سے خدا کا ذکر کرسکتا ہے لیکن قرآن شریف پڑھنا اور

Marfat.com

پڑھانا اور اس کو بغیر جزدان کے ہاتھ لگانا ناجائز ہے۔ اگر غسل کے لیے پانی نہ ملے یا غسل کرنے سے بیماری پیدا ہونے یا بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہے

# وضو

**وضو کے فرض:۔** وضو میں فرض صرف چار ہیں (۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا۔ (۲) ایک مرتبہ دونوں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا (۳) ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) ایک بار ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔

**وضو کی سنتیں:۔** وضو کی سنتیں تیرہ ہیں (۱) نیت کرنا (۲) پوری بسم اللہ پڑھنا، (۳) پہلے گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا (۴) تین بار کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) مسواک کرنا (۷) سارے سر کا مسح کرنا (۸) ہر عضو کو تین بار دھونا (۹) کانوں کا مسح کرنا (۱۰) ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا (۱۱) ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کا دھونا (۱۲) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۱۳) ترتیب وار وضو کرنا۔

**وضو کے مستحبات:۔** (۱) دائیں طرف سے شروع کرنا (۲) وضو کے کام میں دوسرے سے مدد نہ لینا (۳) قبلہ کی طرف منہ کر کے وضو کرنا (۴) گردن کا مسح کرنا (۵) پاک اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔

**وضو کب مکروہ ہو جاتا ہے:۔** (۱) ناپاک جگہ وضو کرنا (۲) سیدھے ہاتھ سے ناک صاف کرنا (۳) وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا (۴) خلافِ سنت وضو کرنا (۵) پانی زیادہ بہانا (۶) زور کے چھپکے مارنا۔

**وضو کب ٹوٹ جاتا ہے:۔** ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنا (۲) ریاح خارج ہونا (۳) منہ بھر قے ہونا (۴) ٹیک لگا کر سونا (۵) بے ہوش ہو جانا (۶) نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا۔

Marfat.com

# تیمّم

وضو اور غسل کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے یا پانی ملے لیکن اس کے استعمال سے بیماری کا سخت خوف ہو، کنویں سے پانی نکالنے کا سامان موجود نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، سفر میں پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تو ان سب صورتوں میں وضو اور غسل کی جگہ تیمّم کرے۔

**تیمّم کا طریقہ**:- تیمّم میں نیت فرض ہے۔ یعنی نیت کرے کہ ناپاکی دور کرنے یا نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرتا ہوں۔ نیت کے بعد دونوں ہاتھ مٹی پر مارے پھر ہاتھ جھاڑ کر تمام منہ پر ملے، پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مار کر ہاتھوں کو کہنیوں تک ملے اور انگلیوں کا خلال بھی کرے۔ وضو اور غسل کے لئے ایک ہی تیمّم کافی ہے۔

# اوقاتِ نماز

**فرض نمازیں**:- ۱۔ نماز فجر۔ اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے تک رہتا ہے۔

۲۔ نماز ظہر:- اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور سایہ دوگنا ہو جانے تک رہتا ہے۔

۳۔ نماز عصر:- اس کا وقت سایہ دوگنا ہو جانے سے شروع ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔

۴۔ نماز مغرب:- اس کا وقت سورج غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔

۵۔ نماز عشا:- اس کا وقت شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے۔

Marfat.com

**دیگر نمازیں۔** نمازِ عیدین:۔ جب سورج ایک نیزہ بلند ہو جاتے تو عید کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ نمازِ جمعہ ٹھیک نمازِ ظہر کے وقت۔ نمازِ اشراق، طلوعِ آفتاب کے فوراً بعد۔ نمازِ چاشت۔ جب سورج خوب بلند ہو جائے اور چاروں طرف دھوپ پھیل جائے، زوال سے پہلے تک نمازِ تہجد۔ دو تہائی رات گزرنے کے بعد سے صبح صادق تک۔

**ممنوع و مکروہ اوقاتِ نماز:۔** ممنوع: سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت حتیٰ کہ ان اوقات میں سجدہ کرنا بھی حرام ہے۔ فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد بجز جنازہ کی نماز کے کہ اس میں رکوع و سجود نہیں، لیکن طلوع و غروب اور زوال کے وقت نمازِ جنازہ بھی ممنوع ہے۔ مکروہ۔ جمعہ کے دن جب امام خطبہ شروع کر دے۔ نصف شب کے بعد عشاء کی نماز۔

## نماز کی رکعتیں

## نقشہ اوقاتِ نماز و تعدادِ رکعات

| وقتِ نماز | قبل فرض | فرض | بعد فرض | نفل | کُل رکعات |
|---|---|---|---|---|---|
| فجر | ۲ سنت مؤکدہ | ۲ فرض | – | – | ۴ |
| ظہر | ۴ " " | ۴ " | ۲ سنت مؤکدہ | ۲ نفل | ۱۲ |
| عصر | ۴ سنت غیر مؤکدہ | ۴ " | – | – | ۸ |
| مغرب | – | ۳ " | ۲ سنت مؤکدہ | ۲ نفل | ۷ |
| عشاء | ۴ سنت غیر مؤکدہ | ۴ " | ۲ " " | ۲ نفل ۳ وتر ۲ نفل | ۱۷ |
| جُمعہ | ۴ سنت مؤکدہ | ۲ " | ۴+۲ سنت | ۲ نفل | ۱۴ |
| عیدین | ۲ رکعت واجب بعد طلوعِ آفتاب تا زوالِ آفتاب | | | | |

**فرض،** ادا کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا عذاب اور انکار کرنے والا کافر۔

**واجب،** ادا کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا عذاب مگر کافر نہیں۔

Marfat.com

سنّتِ مؤکّدہ، ادا کرنے والا ثواب پائے گا اور ترک کی عادت کرنے والا عتاب۔
سنّتِ غیر مؤکّدہ، ادا کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والے پر عذاب نہیں
مستحب، ادا کرنے والا فضیلت پائے گا اور نہ کرنے والے پر عتاب و عذاب کچھ نہیں۔

**شرائط نماز:۔** نماز کی سات شرطیں ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے (۱) بدن پاک ہو (۲) کپڑے پاک ہوں (۳) نماز کی جگہ پاک ہو (۴) ستر چھپا ہو (۵) نماز کا وقت ہو (۶) قبلہ کی طرف منہ ہو (۷) نماز کی نیت۔

# نماز کے فرائض

(۱) تکبیر تحریمہ کہنا (۲) قیام یعنی کھڑا ہونا (۳) قرآت یعنی قرآن مجید سے کچھ پڑھنا (۴) رکوع کرنا (۵) دونوں سجدے کرنا (۶) قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے مقدار بیٹھنا۔

**مفسداتِ نماز** (۱) نماز کے درمیان قصداً یا سہواً بات کرنا (۲) کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا (۳) کھانا پینا (۴) آواز سے رونا (۵) چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۶) کسی خوشخبری پر سبحان اللہ کہنا (۷) کسی کی مصیبت سن کر لاحول یا انا للہ کہنا (۸) قرآن مجید غلط پڑھنا (۹) سوائے امام کے دوسرے شخص کو قرآت کی غلطی بتانا (۱۰) ناپاک جگہ سجدہ کرنا (۱۱) قبلہ کی طرف سے پھر جانا (۱۲) کوئی فرض بلا عذر ترک کر دینا (۱۳) سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھانا (۱۴) نماز کے درمیان قرآن مجید کے صفحات پر نظر کر کے قرآن مجید پڑھنا (۱۵) ایک یا دونوں ہاتھوں سے کوئی کام کرنا۔

**مکروہاتِ نماز۔** (۱) نماز کے درمیان عبث اور بے کار حرکات کرنا مثلاً جھومنا، ہلنا وغیرہ (۲) نماز کے درمیان پیشانی سے گرد صاف کرنا یا کپڑوں کو خاک دھول سے بچانا اور اوپر اٹھانا (۳) ننگے سر ہونا، سجدے کی جگہ سے سنگریزے ایک بار سے زیادہ دور کرنا

Marfat.com

(۴) انگڑائی یا جماہی لینا (۵) سجدے کے وقت بازوؤں کو زمین پر ٹیکنا (۶) سجدے میں ران کو شکم سے ملانا (۷) آدمی یا کسی اور جاندار کی تصویروں والا کپڑا پہننا (۸) پیشاب یا پاخانہ کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ نماز سے پہلے حوائج ضروری سے فارغ ہونا ازبس ضروری ہے ورنہ نماز مکروہ ہو گی بہتر ہے دوبارہ پڑھ لی جائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ثنا

| | |
|---|---|
| سُبْحَانَ۔ پاک، بے عیب۔ | اِسْمُ۔ نام۔ |
| كَ۔ تو۔ | تَعَالٰی۔ بلند ہے۔ |
| اَللّٰهُمَّ۔ اے اللہ۔ | جَدُّ۔ شان، بزرگی۔ |
| بِ۔ ساتھ | لَا۔ نہیں۔ |
| حَمْد۔ تعریف۔ | اِلٰہَ۔ معبود، عبادت کے لائق۔ |
| تَبَارَكَ۔ برکت والا ہے۔ | غَیْرُ۔ سوا۔ |

(۱) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ
پاک ہے تو اے اللہ

(۲) وَبِحَمْدِكَ
اور ساتھ تعریف اپنی کے

(۳) وَتَبَارَكَ اسْمُكَ
اور برکت والا ہے نام تیرا

(۴) وَتَعَالٰی جَدُّكَ
اور بلند ہے شان تیری

(۵) وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ
اور نہیں ہے معبود سوائے تیرے

Marfat.com

# تعوّذ و بسملہ

| | |
|---|---|
| اَعُوْذُ۔ پناہ لیتا ہوں میں | بِسْمِ۔ ساتھ نام |
| مِنْ۔ سے | رَحْمٰنِ۔ نہایت رحم کرنے والا |
| رَجِیْمِ۔ راندہ ہوا | رَحِیْمِ۔ مہربان |

## تعوّذ

(۱) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

میں پناہ لیتا ہوں ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے۔

## بسملہ

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(شروع) ساتھ نام اللہ کے جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔

---

۱۔ جن لفظوں کے پہلے اَلْ ہے ان کو بغیر اَلْ کے درج کیا گیا ہے۔ اس سے معنوں میں عموماً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ جیسے الرَّحْمٰن کی بجائے رَحْمٰن۔

۲۔ بِسْمِ اصل میں ب + اسم ہے۔

Marfat.com

# سورۂ فاتحہ نمبر (۱)

اَلْ۔ سب
لِلّٰہِ۔ واسطے اللہ کے
رَبِّ۔ پالنے والا
عٰلَمِیْنَ۔ سب جہان
مٰلِكِ۔ مالک

یَوْمِ۔ دن
دِیْنِ۔ جزا۔ قیامت
اِیَّاكَ۔ تیری ہی (تجھی سے)
نَعْبُدُ۔ ہم عبادت کرتے ہیں
نَسْتَعِیْنُ۔ ہم مدد چاہتے ہیں۔

---

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
سب تعریف واسطے اللہ کے ہے۔

(۲) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
جو پالنے والا سب جہانوں کا ہے

(۳) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے

(۴) مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝
مالک ہے روزِ جزا کا

(۵) اِیَّاكَ نَعْبُدُ
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں

(۶) وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝
اور تجھی سے (تیری ہی) مدد چاہتے ہیں۔

---

لِلّٰہِ اصل میں لِ + اَللّٰہِ ہے۔
عَالَمٌ (جہان) کی جمع عٰلَمِیْنَ ہے۔

Marfat.com

# سورۂ فاتحہ نمبر (۲)

اِھْدِ۔ دکھا تو
نَا۔ ہمیں
صِرَاطَ۔ راستہ
مُسْتَقِیْمَ۔ سیدھا
اَلَّذِیْنَ۔ وہ لوگ
اَنْعَمْتَ۔ تو نے انعام کیا
عَلَیْھِمْ۔ اوپر اُن کے
مَغْضُوْبِ۔ غضب کیا گیا
ضَآلِّیْنَ۔ گمراہ لوگ
اٰمِیْن۔ قبول کر

---

(۱) اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞
دکھا تو ہمیں راستہ سیدھا۔

(۲) صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۞
راستہ اُن لوگوں کا کہ تو نے انعام کیا اُن پر

(۳) غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ
نہ غضب کیا گیا اوپر اُن کے

(۴) وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۞ اٰمِیْن۔
اور نہ (وہ) گمراہ (ہیں) ایسا ہی ہو

---

عَلَیْھِمْ اصل میں عَلٰی + ھِمْ ہے۔

Marfat.com

# سورۃ اخلاص

| | |
|---|---|
| قُلْ۔ کہہ دے (اے محمدؐ) | یَلِدْ۔ جنا اُس نے |
| ھُوَ۔ وہ | یُوْلَدْ۔ جنا گیا وہ |
| اَحَدٌ۔ ایک | یَکُنْ۔ ہے |
| صَمَد۔ بے پروا | لَہٗ۔ واسطے اُس کے |
| لَمْ۔ نہیں | کُفُوًا۔ برابری کرنے والا۔ شریک۔ |

(۱) قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ

کہہ دے (اے محمدؐ) وہ اللہ ایک ہے

(۲) اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ

اللہ بے پرواہ ہے

(۳) لَمْ یَلِدْ ۙ

نہیں جنا اُس نے

(۴) وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ

اور نہیں جنا گیا وہ

(۵) وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۚ

اور نہیں ہے واسطے اس کے برابری کرنے والا کوئی

---

لَہٗ اصل میں لَ + ہٗ ہے۔ لَ کے معنے "واسطے" ہے

Marfat.com

# تسبیح

رَبِّیْ ۔ رب میرا
عَظِیْمِ ۔ شان والا
سَمِعَ ۔ سنا اُس نے
لِمَنْ ۔ واسطے اُس شخص کے
لَکَ ۔ تیرے لئے

حَمِدَ ۔ تعریف کی
رَبَّنَا ۔ اے رب ہمارے
ہٗ ۔ اُس کو، اُسے
اَعْلٰی ۔ بلند مرتبہ

---

(۱) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ
پاک ہے رب میرا بڑی شان والا

(۲) سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ
سُنا اللہ نے واسطے اس کے جس نے تعریف کی اُس کی

(۳) رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ
اے رب ہمارے، واسطے تیرے ہے تعریف۔

(۴) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی
پاک ہے رب میرا بلند مرتبہ (والا)

---

لِمَنْ اصل میں لِ + مَنْ ہے۔ لَکَ اصل میں لَ + کَ ہے۔ رَبِّیْ اصل میں رَبِّ + یْ ہے۔ رَبَّنَا اصل میں یا + رَبَّ + نَا ہے۔

Marfat.com

# تشہد نمبر (۱)

| | |
|---|---|
| تَحِیَّات۔ زبانی عبادتیں | اَیُّھَا۔ اے |
| صَلَوَات۔ بدنی عبادتیں | نَبِیُّ۔ نبی |
| طَیِّبَات۔ مالی عبادتیں | بَرَکَات۔ برکتیں |
| سَلَامٌ۔ سلامتی | عِبَاد۔ بندے |
| عَلَیْکَ۔ اُوپر تیرے | صٰلِحِیْن۔ نیک لوگ |

(۱) اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ
سب زبانی عبادتیں خاص ہیں واسطے اللہ کے

(۲) وَالصَّلَوَاتُ
اور سب بدنی عبادتیں

(۳) وَالطَّیِّبَاتُ
اور سب مالی عبادتیں

(۴) اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ
سلامتی ہو اوپر تیرے اے نبی

وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ
اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اُس کی

(۵) اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔
سلامتی ہو اُوپر ہمارے اور اوپر اللہ کے نیک بندوں کے۔

---

عِبَاد جمع عَبْد کی اور صَالِحِین جمع صَالِح کی ہے۔

Marfat.com

# تشہد نمبر (۲)

| | |
|---|---|
| اَنْ ۔ یہ کہ | اَنَّ ۔ بے شک |
| اَشْہَدُ ۔ میں شہادت دیتا ہوں | عَبْد ۔ بندہ |
| اِلَّا ۔ مگر | رَسُوْل ۔ بھیجا ہوا ۔ پیغمبر |

---

(۱) اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
میں شہادت دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ

(۲) وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ
اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمدؐ بندہ ہے اُس کا اور رسول ہے اس کا۔

---

Marfat.com

# درود شریف

| | |
|---|---|
| صَلِّ۔ رحمت بھیج | حَمِیْدٌ۔ تعریف والا |
| کَمَا۔ جیسے | مَجِیْدٌ۔ بزرگ۔ بزرگی والا |
| صَلَّیْتَ۔ رحمت بھیجی تُو نے | بَارِکْ۔ تُو برکت دے |
| اِنَّکَ۔ بے شک تُو | بَارَکْتَ۔ تُو نے برکت دی |

---

(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

اے اللہ رحمت بھیج اوپر حضرت محمدؐ کے اور اوپر آل حضرت محمدؐ کے

(۲) کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

جیسے رحمت بھیجی تُو نے اوپر حضرت ابراہیمؑ کے اور اوپر آل حضرت ابراہیم کے

(۳) اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بے شک تُو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

(۴) اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

اے اللہ برکت دے اوپر حضرت محمدؐ کے اور اوپر آل حضرت محمدؐ کے

(۵) کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

جیسے برکت دی تُو نے اوپر حضرت ابراہیمؑ کے اور اوپر آل حضرت ابراہیمؑ کے

(۶) اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے

Marfat.com

# دُعا

| | |
|---|---|
| رَبِّ۔ اے رب میرے | اِغْفِرْ۔ بخش |
| اِجْعَلْنِیْ۔ بنا مجھے | لِیْ۔ واسطے میرے |
| مُقِیْمَ۔ قائم کرنے والا | لِوَالِدَیَّ۔ واسطے میرے ماں باپ کے |
| ذُرِّیَّتِیْ۔ اولاد میری | مُؤْمِنِیْنَ۔ ایماندار لوگ |
| تَقَبَّلْ۔ قبول کر | یَقُوْمُ۔ قائم ہو گا۔ |

(۱) رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

اے رب میرے بنا مجھے قائم کرنے والا نماز کا اور میری اولاد سے

(۲) رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ

اے رب ہمارے اور قبول فرما دُعا میری

(۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ہ

اے رب ہمارے بخش مجھے اور والدین میرے کو اور مومنوں کو جس دن قائم ہو گا حساب۔

(۴) اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ

سلامتی ہو تم پر اور رحمت اللہ کی۔

---

رَبِّ اصل میں یارَبِّیْ ہے۔ اِجْعَلْنِیْ اصل میں اِجْعَلْ + نِیْ ہے۔ وَالِدَیَّ اصل میں وَالِدَیْنِ + ی ہے۔

Marfat.com

# دُعائے قنوت نمبر (۱)

| | |
|---|---|
| اِنَّا ۔ بے شک ہم | نَشْکُرُ ۔ ہم شکر کرتے ہیں |
| نَسْتَغْفِرُ ۔ ہم معافی مانگتے ہیں | نَکْفُرُ ۔ ہم ناشکری کرتے ہیں |
| نُؤْمِنُ ۔ ہم ایمان لاتے ہیں | نَخْلَعُ ۔ ہم الگ ہوجاتے ہیں |
| نَتَوَکَّلُ ۔ ہم بھروسہ کرتے ہیں | نَتْرُکُ ۔ ہم چھوڑ دیتے ہیں |
| نُثْنِیْ ۔ ہم تعریف کرتے ہیں | یَفْجُرُ نافرمانی کرتا ہے |

---

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ
اے اللہ بے شک ہم مدد چاہتے ہیں تجھ سے

(۲) وَنَسْتَغْفِرُکَ
اور معافی مانگتے ہیں تجھ سے

(۳) وَنُؤْمِنُ بِکَ
اور ایمان لاتے ہیں ساتھ تیرے

(۴) وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ
اور بھروسہ کرتے ہیں تجھ پر

(۵) وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ
اور تعریف کرتے ہیں تیری اچھی

(۶) وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ
اور شکر کرتے ہیں تیرا اور نہیں ناشکری کرتے تیری

وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ
اور الگ ہوجاتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں اسے جو نافرمانی کرتا ہے تیری

Marfat.com

# دُعائے قنوت نمبر (۲)

| | |
|---|---|
| نُصَلِّیْ | نَرْجُوْا |
| نَسْجُدُ | نَخْشٰی |
| اِلَیْکَ | عذاب |
| نَسْعٰی | کُفَّار |
| نَحْفِدُ | مُلْحِقٌ |

(۱) اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ
اے اللہ! تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں

(۲) وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ
اور تیری ہی نماز پڑھتے اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں

(۳) وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ
اور طرف تیری دوڑتے اور تیری خدمت بجالاتے ہیں

(۴) وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَ
اور ہم امید کرتے ہیں تیری رحمت کی اور

نَخْشٰی عَذَابَکَ
ڈرتے ہیں تیرے عذاب سے

(۵) اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ
بے شک عذاب تیرا کافروں کو

مُلْحِقٌ ط
ملنے والا ہے

---

کافِر کی جمع کفار ہے۔ اِلَیْکَ اصل میں اِلٰی + کَ ہے۔

# دعائے جنازہ نمبر ۱

| | |
|---|---|
| حَیّ ۔ زندہ | صَغِیْر ۔ چھوٹا |
| مَیِّت ۔ مُردہ | کَبِیْر ۔ بڑا |
| شَاهِد ۔ حاضر، موجود | ذَکَر ۔ مرد |
| غَائِب ۔ غیر حاضر ۔ جو موجود نہ ہو | اُنْثٰی ۔ عورت |

---

(۱) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ

اے اللہ بخش

(۲) لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا

ہمارے زندہ کو اور ہمارے مُردہ کو

(۳) وَشَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا

اور ہمارے حاضر کو اور ہمارے غائب کو

(۴) وَصَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا

اور ہمارے چھوٹے کو اور ہمارے بڑے کو

(۵) وَ ذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا۔

اور ہمارے مرد کو اور عورت کو ۔

---

لِحَیِّنَا اصل میں لِ + حَیّ + نَا ہے

Marfat.com

# دُعائے جنازہ نمبر(۲)

| | |
|---|---|
| اَحْيَيْتَ۔ زندہ رکھے تو | اِسْلَام۔ اسلام |
| مِنَّا۔ ہم میں سے | تَوَفَّ۔ فوت کر |
| اَحْیِ۔ زندہ رکھ | اِیْمَان۔ ایمان |
| فَ۔ پس | تَوَفَّیْتَ۔ تُو فوت کرے |

---

(۱) اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ

اے اللہ جس کو زندہ رکھے تُو ہم میں سے پس زندہ رکھ اس کو اوپر اسلام کے۔

(۲) وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ ط

اور جس کو فوت کرے تُو ہم میں سے پس فوت کر اس کو اوپر ایمان کے

---

مِنَّا اصل میں مِنْ + نَا ہے

فَاَحْيِهٖ اصل میں فَ + اَحْیِ + ہٗ ہے

تَوَفَّيْتَهٗ اصل میں تَوَفَّیْتَ + ہٗ ہے

Marfat.com

# دُعائے جنازہ نمبر (۳)

| | |
|---|---|
| فَرَطًا ۔ پیش رو | شَافِعًا ۔ شفاعت کرنے والا |
| اَجْرًا ۔ اجر | شَافِعَۃً ۔ شفاعت کرنے والی |
| ذُخْرًا ۔ ذخیرہ | مُشَفَّعًا ۔ جس کی شفاعت قبول ہو |

---

## نابالغ لڑکے کے لئے

(۱) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا (۲) وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا

اے اللہ بنا اس کو واسطے ہمارے پیش رو اور بنا اس کو واسطے ہمارے اجر اور ذخیرہ

(۳) وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا ط

اور بنا اس کو واسطے ہمارے سفارش کرنے والا اور اس کی سفارش قبول فرما

## نابالغ لڑکی کے لئے

(۱) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا (۲) وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا

اے اللہ بنا اس کو واسطے ہمارے پیش رو اور بنا اس کو واسطے ہمارے اجر اور ذخیرہ

(۳) وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَۃً وَّ مُشَفَّعَۃً ط

اور بنا اس کو واسطے ہمارے سفارش کرنے والی اور اس کی سفارش قبول فرما

---

"ہٗ" مرد یا لڑکے کے لئے اور "ھا" عورت یا لڑکی کے لئے آتا ہے

Marfat.com

# آیاتِ زکوٰۃ

۱۵۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿التوبہ۔۱۰۳﴾

۱۶۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿التوبہ۔۶۰﴾

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴿البقرہ۔۲۶۴﴾

۴۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿البقرہ۔۲۶۳﴾

۵۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿البقرہ۔۲۷۶﴾

۶۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ ﴿الدہر۔۱۰۔۹﴾

۷۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۔ ﴿البقرہ۔۸۳﴾

۸۔ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿مریم۔۵۵﴾

Marfat.com

Marfat.com

# زکوٰۃ

**مفہوم**:۔ زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ پاکیزہ اور صاف کے ہیں، زکوٰۃ چونکہ مال کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں، نماز کے بعد جس کا اصل تعلق خالق و مخلوق کے باہمی سلسلہ اور رابطہ سے ہے اور جس کا ایک بڑا فائدہ نظامِ جماعت کا قیام ہے۔ اسلامی عبادت کا دوسرا رکن زکوٰۃ ہے، جو آپس میں انسانوں کے درمیان ہمدردی اور باہم ایک دوسرے کی امداد اور معاونت کا نام ہے اور جس کا اہم فائدہ نظامِ جماعت کے قیام کے لئے مالی سرمایہ مہیا کرنا ہے، زکوٰۃ کا دوسرا نام صدقہ ہے، جس کا اطلاق عموم کے ساتھ ہر مالی اور جسمانی امداد اور نیکی پر بھی ہوتا ہے لیکن فقہ کی اصطلاح میں زکوٰۃ صرف اس مالی امداد کو کہتے ہیں جو ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو دولت کی ایک مخصوص مقدار کا مالک ہو۔

**زکوٰۃ گزشتہ مذاہب میں**:۔ زکوٰۃ بھی ان عبادات میں سے ہے جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے، لیکن اس کے پیروؤں نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ بظاہر ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں ان کا نام بھی نظر نہیں آتا، حالانکہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے اور اس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے کہ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزو لاینفک تھی، اسی طرح زکوٰۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جزو رہی ہے، بنی اسرائیل سے خدا کا عہد تھا اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں تھیں

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ۔۸۳)

(ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا) کہ کھڑی رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ۔

Marfat.com

قرآنی آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مذاہب میں زکوٰۃ تھی۔

**زکوٰۃ ایک تکمیلی کارنامہ:** محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے اس بارے میں بھی اپنا تکمیلی کارنامہ انجام دیا۔ اس نے نہایت خوبی اور دقتِ نظر کے ساتھ زکوٰۃ کی مدت سال بھر کے بعد مقرر کی اور ہر سال اس کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ساتھ ہی اس نے دولت کے تین سرچشمے قرار دیئے۔ سونا چاندی، جانور اور پیداوار اور ان میں ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ شرحیں مقرر کیں۔ سونے چاندی میں چالیسواں اور پیداوار میں دسواں حصہ مقرر کیا۔ جانوروں کی مختلف قسموں میں ان کی مختلف تعداد پر ان کی قدر و قیمت کی کمی بیشی کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار پائیں۔ پھر اس زکوٰۃ سے ہر قسم کے مصارف کی تعیین و تحدید کی اور اس کی تحصیل وصول اور جمع و خرچ کا کام بیت المال سے متعلق کیا۔

**اہمیت زکوٰۃ:** اسلام کی تعلیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفۂ وحی میں نماز کے ساتھ ساتھ جو فریضہ سب سے اہم نظر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ نماز حقوقِ الٰہی میں سے ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد میں۔ ان دونوں فریضوں کا باہم لازم و ملزوم اور مربوط ہونا اس حقیقت کو منکشف کرتا ہے کہ اسلام میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی یکساں لحاظ رکھا گیا ہے۔ قرآن پاک میں جہاں کہیں نماز کا ذکر ہے اس کے متصل ہی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں بیس مقامات پر اقام الصلوٰۃ کے بعد ایتاء الزکوٰۃ آیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کتنی اہمیت دیتا ہے کیونکہ اسلام زمین پر ایک ایسا نظامِ معاشرت تشکیل دینا چاہتا ہے جس کی بنیاد عدل اجتماعی پر ہو۔

اور زکوٰۃ ادا کرنے کی مدح (تعریف) یا اس کے دینے اور نہ دینے والوں کا تذکرہ

Marfat.com

اس کے علاوہ ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں زکوٰۃ کی کیا اہمیت ہے۔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر جب کسی نے اسلام کے احکام دریافت کئے ہیں تو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد زکوٰۃ کو پہلا درجہ دیا ہے۔ صحیحین کی کتاب الایمان میں اسی قسم کی متعدد حدیثیں ہیں جن میں یہ ترتیب ملحوظ رہی ہے بلکہ کبھی کبھی وہ اسلام کے شرائط بیعت میں داخل کی گئی ہے چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت تین باتوں پر کی تھی،

"نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا"

۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا داعی بنا کر یمن بھیجا ہے، تو اسلام کے مذہبی فرائض کی یہ ترتیب بتائی کہ پہلے ان کو توحید کی دعوت دینا جب وہ یہ جان لیں تو ان کو بتانا کہ دن میں پانچ وقت کی نماز ان پر فرض ہے۔ جب وہ نماز پڑھ لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جاتی گی،

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے جو لوگ شریعت کے راز دان تھے وہ اس نکتہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اہل عرب نے بغاوت کی اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف تلوار کھینچ لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو توحید کا قائل ہو اس کا خون روا نہیں اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے لڑوں گا کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھیڑ کا بچہ بھی دیتا تھا وہ اس کو دینا پڑے گا۔ حقیقت میں یہ ایک لطیف نکتہ تھا جس کو صرف شریعت کا محرمِ اسرار سمجھ سکتا تھا اس نے سمجھا اور امت کو سمجھایا اور سب نے اس

Marfat.com

کے سامنے اطاعت کی گردن جھکانی ہی۔

نماز اور زکوٰۃ کے باہمی ربط کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ اسلام کی تنظیمی زندگی صرف دو بنیادوں پر قائم ہے جن میں سے ایک روحانی اور دوسری مادی ہے۔ اسلام کا نظامِ روحانی نمازِ باجماعت ہے جو کسی مسجد میں ادا ہو کر قائم ہوتا ہے اور نظامِ مادی زکوٰۃ ہے جو کسی بیت المال میں جمع اور تقسیم ہو کر اثرات مرتب کرتا ہے۔ اسی لئے دونوں چیزیں اسلام میں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں اور ان کی انفرادی حیثیت کے ساتھ ان کی اجتماعی حیثیت پر بھی شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص زور دیا ہے۔ نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے، لیکن اپنی فرضیّت کے بعض مقاصد سے دور ہو جاتی ہے اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی ادا ہو جاتی ہے مگر اس کی فرضیّت کے بعض اہم مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے بلکہ بطورِ خود اس کو صرف کر دیں گے تو شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسائے راز نے ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا، اور بزور ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے پر مجبور کیا، کہ اگر ان کی یہ بات مان لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سررشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

الغرض زکوٰۃ یا دوسرے الفاظ میں غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی خبر گیری، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت نماز کے بعد اسلام کی عبادت کا دوسرا رکن ہے اور اس فریضہ کی یہ سب سے پہلی اہمیت ہے جو مذاہب کی تاریخ میں نظر آتی ہے۔

**زکوٰۃ کا آغاز اور تدریجی تکمیل:** محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام صرف

دو لفظوں سے مرکب ہے خدا کا حق اور بھائیوں کا حق۔ پہلے لفظ کا مظہر اعظم "نماز" اور دوسرے کا "زکوٰۃ" ہے۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق جب بلند ہوئی تو اس کی پکار کی آواز پر ان ہی دو لفظوں کی تفصیل و تشریح تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بعثت سے پہلے غارِ حرا میں چھپ کر خدا کی یاد (نماز) میں مصروف رہتے تھے۔ اسی طرح بے کس اور لاچار انسانوں کی دستگیری (زکوٰۃ) بھی فرمایا کرتے تھے۔

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی پریشانی، شکستہ حالی اور غربت و مسکینی کی جو کیفیت تھی اس کی بناء پر اتنا ہی ان کے لئے بہت تھا کہ وہ کسی یتیم و مسکین اور بھوکے کو کھانا کھلا دیں۔ مدینہ منورہ آکر جب مسلمانوں کو کسی قدر اطمینان ہوا اور انھوں نے کچھ اپنا کاروبار شروع کیا تو روزہ کے ساتھ ساتھ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب ہوا یعنی یہ کہ سال میں ایک دفعہ عید کے دن نماز سے پہلے ہر مسلمان پونے دو سیر غلہ خدا کی راہ میں خیرات کرے تاکہ غریب و محتاج بھی اپنی عید کا دن پیٹ بھر کر خوشی اور مسرت سے گزاریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی عام تاکید کی گئی۔ انہوں نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ہم کیا خرچ کریں، ارشاد ہوا۔

قُلِ الْعَفْوَ ط

کہہ دو اے پیغمبر، کہ تمہاری ضرورت سے جو کچھ بچ رہے اس کو خیرات کردو۔

یہ زکوٰۃ کی تعین کی راہ میں پہلا قدم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار و نصاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ جو کچھ بچے وہ خدا کی راہ میں خیرات کر دیں، آئندہ کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھیں۔ کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی حالت اس کا تقاضا کرتی تھی، کچھ دنوں کے بعد جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں، زمینیں اور جاگیریں ہاتھ آئیں تجارت

Marfat.com

کی آمدنی شروع ہوتی تو حکم ہوا۔

"اے مسلمانو! اپنی کمائی میں سے کچھ اچھی چیزیں اور جو ہم تمہارے لئے زمین سے پیدا کریں اس میں سے کچھ خیرات میں دو۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ بھی جن کے پاس نہ تھا خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے تو غریب و نادار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آکر عرض کی کہ اے خدا کے رسول! جس کے پاس نہ ہو وہ کیا کرے فرمایا وہ محنت مزدوری کرکے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے۔ انہوں نے پھر گزارش کی کہ جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے؟ تو ارشاد ہوا۔

"تو وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے، یہی اس کا صدقہ ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر اثر تعلیمات اور نصیحتوں کا صحابہ پر یہ اثر ہوا کہ وہ اس غرض کے لئے بازار جاکر بوجھ اٹھاتے تھے اور اس سے جو کچھ ملتا تھا اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

لیکن اب تک تمام عرب اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوا تھا، اور اس لئے اس کا کوئی مرتب قومی نظام بھی قائم نہ تھا (رمضان ۸ھ میں فتح مکہ نے تمام عرب کو ایک ایسے رشتہ میں منسلک کردیا اور اب وہ وقت آگیا کہ اسلام اپنا خاص نظام قائم کرے غزوہ تبوک میں ابولبابہ بن عبدالمنذر اور ان کے چھ ساتھیوں کی نفسی کمزوری اور شرعی عذر کے بغیر شرکت نہ کرنے پر جب سخت ندامت کے اظہار کے طور پر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا، اور کہا کہ ہم پر کھانا پینا اور سونا حرام ہے جب تک ہم معاف نہ کردیئے جائیں یا پھر ہم مرجائیں۔ چنانچہ کئی روز وہ اسی طرح بے آب و دانہ اور بے خواب بندھے رہے حتی کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ آخر کار جب انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور رسول نے تمہیں معاف

Marfat.com

کر دیا ہے۔ تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر کی آسائش نے ہمیں فرض سے غافل کیا۔ اسے اور اپنے تمام مال کو خدا کی راہ میں دے دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال دینے کی ضرورت نہیں صرف ایک تہائی کافی ہے۔ چنانچہ وہ انھوں نے اسی وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ ان صحابہ کی معافی کا اعلان قرآن پاک میں یوں کیا گیا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (توبہ۔۱۰۳)

"(اے نبی) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (جس کو یہ لاتے ہیں) لیجئے جس کے (دینے کے) ذریعے سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کر دیں گے۔ اور ان کے لئے دعا کیجئے بلا شبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ (ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں (اور ان کی ندامت کو) خوب جانتے ہیں۔"

ان آیات کے نزول کے بعد نئے سال یعنی محرم ۹ھ میں زکوٰۃ کے تمام احکامات وقوانین مرتب ہوئے۔ اس کی وصولی کے لئے تمام عرب میں محصلوں اور عاملوں کا تقرر ہوا اور باقاعدہ ایک بیت المال کی صورت پیدا ہوئی۔

۱۹ **مصارف زکوٰۃ**:۔ (فقراء اور مساکین ہیں سے ان لوگوں پر جو بے کسی کے ساتھ دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ان کو ترجیح دی گئی ہے) جو فقر وفاقہ کی ہر قسم کی تکلیف گوارا کرتے ہیں لیکن اپنی عزت وآبرو اور خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ یہ تعلیم خود قرآن پاک نے دی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک دو لقمے دربدر پھرایا کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا پھر کون مسکین ہے، ارشاد ہوا۔

Marfat.com

"وہ جس کو حاجت ہے لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ کسی سے مانگتا نہیں"

شریعت نے مصارف زکوٰۃ کی تعین و تحدید اس غرض سے بھی کی ہے کہ ہر شخص کو مانگنے کی ہمت نہ ہو اور ہر کس و ناکس اس کو اپنی آمدنی کا ایک آسان ذریعہ نہ سمجھ لے جیسا کہ بعض منافقین اور اہل بادیہ نے اس کو اپنے ایمان و اسلام کی قیمت سمجھ رکھا تھا ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ پانے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا۔

"اے شخص! اللہ تعالےٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ پیغمبر تک کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصرف بیان کر دیتے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ میں ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں"

مندرجہ ذیل آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کا بیان ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ - ۶۰)

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے"

فقراء و مساکین :- پہلا مصرف فقراء اور دوسرا مساکین ہیں، دونوں کے معنی میں اگرچہ اختلاف ہے ایک کے معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی

Marfat.com

ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن زکوٰۃ کے حکم میں دونوں یکساں ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی بنیادی ضروریات سے زائد نصاب کی مقدار کے برابر مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے۔ بنیادی ضروریات میں رہنے کا مکان، استعمال کے برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں جب کہ مقدار نصاب سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور قرضدار بھی نہ ہو۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے (اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ پیسے نقد یا کچھ چاندی ہے اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحبِ نصاب ہے اس پر بھی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے) اور جو شخص صاحبِ نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گزارہ اس کے پاس موجود ہے اس کو اگرچہ زکوٰۃ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔

**عاملین زکوٰۃ**:- عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ و عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرانے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنے اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے۔

**مؤلفۃ القلوب**:- تالیف قلب کے معنیٰ ہیں دل موہنا۔ اس حکم سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوشِ عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انھیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہوں اور ان کی سابقہ عداوت یا ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی دل جوئی نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف

Marfat.com

یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار یا مطیع و فرمانبردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنا لیا جاتے۔ اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے بھی، اور ایسے لوگوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین یا مسافر ہوں تب ہی ان کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے بلکہ وہ مالدار اور رئیس ہونے پر بھی زکوٰۃ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

**غلاموں کی آزادی**:۔ یعنی غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاتے اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں اپنی رقم تمہیں ادا کر دوں تو تم مجھے آزاد کر دو۔ اسے آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جاتے دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کی مد سے غلام آزاد کئے جائیں۔ ان میں پہلی صورت پر تو سب فقہا متفق ہیں، لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

**قرضدار**:۔ ایسے قرض دار جو اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو ان کے پاس نصاب کی مقدار سے کم مال بچ سکتا ہو۔ وہ خواہ کمانے والے ہوں یا بے روزگار اور خواہ عرفِ عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی دونوں صورتوں میں، ان کی اعانت زکوٰۃ کے مال سے کی جا سکتی ہے مگر متعدد فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو مقروض بنا لیا اس کی مدد نہ کی جاتے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

**فی سبیل اللہ**:۔ فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا کا لفظ عام ہے، تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں، اسی وجہ سے بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس حکم کی رُو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، صحابہ کرام جنھوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

سے پڑھا اور سمجھا ہے۔ ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے۔ جن فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں۔

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل نہیں اور نہ ہی ان میں سے ہر ایک کے لئے مالِ زکوٰۃ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

**ابن السبیل**:۔ سبیل کے معنی راستہ اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں ابن، اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو۔ اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزلِ مقصود پر پہنچنے سے ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں حسب ضرورت مال نہ ہو۔ اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو۔ ایسے مسافر کو مالِ زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کر لے اور وطن واپس جا سکے۔

**خلوص نیت ذریعہ عزت**:۔ اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کو خالصتہً اللہ کی رضا کے لئے ادا کیا جائے یعنی لینے والے پر نہ کسی قسم کے احسان کا بار رکھا جائے اور نہ اس کو ممنونِ کرم بنایا جائے نہ عام مجمع میں اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے دیا جائے کیونکہ اس سے ایک طرف اگر دینے والے کی اخلاقی پستی اور کمینگی ظاہر ہوتی

Marfat.com

ہے تو دوسری طرف خود اس طرح کے لینے والے کی خودداری کی روح اور اخلاقی غیرت کی حس کو صدمہ پہنچتا ہے اور بجائے اس کے کہ لینے والا اس طرح دینے والے کا احسان مند ہو اس کو اس کے فعل سے نفرت ہو گی (اسلام نے انہی باتوں کو سامنے رکھ کہ یہ تعلیم دی کہ دینے والوں گے سامنے یہ ہو کہ:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ (الدہر۔ ۹، ۱۰)

"ہم تم کو خدا کے لئے ہی کھلاتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے بے شک ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں"

اس شریفانہ تعلیم کو دیکھو کہ بدلہ تو کجا ہمیں تمہاری احسان مندی اور شکر گزاری بھی نہیں چاہیئے۔ پھر صدقہ دینے والوں کو یہ بھی تصریح کے ساتھ بتا دیا کہ تمہارے احسان دھرنے طعنہ دینے یا لینے والے کو ذلیل و رسوا کرنے سے تمہارے اس عظیم الشان کارنامہ کی حقیقت باطل ہو جاتے گی، اور تمام ثواب حرفِ غلط کی طرح تمہارے نامۂ اعمال سے مٹ جائیگا فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (البقرہ۔ ۲۶۴)

"مسلمانو! اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد مت کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال (محض) لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال ایک چکنے پتھر کی ہے جس پر کچھ مٹی ہو تو اس پر زور کی بارش پڑ جاتے اور اس کو بالکل صاف کر دے۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھر

Marfat.com

بھی ہاتھ نہ لگے گی، خدا کافروں کو ہدایت یاب نہیں کرتا"

اس آیت میں لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرنے والے کے لئے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہ لانے کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ گویا اس کا یہ عمل صریحاً یہ معنی رکھتا ہے کہ خلق ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اجر چاہتا ہے اللہ سے نہ اس کو اجر کی توقع ہے اور نہ اسے یقین ہے کہ ایک روز اعمال کا حساب ہوگا اور اجر عطا کئے جائیں گے۔

اس کے بعد دی گئی مثال میں بارش سے مراد خیرات ہے، چٹان سے مراد اس نیت اور اس جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے، مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہے۔ اس وضاحت کے بعد مثال اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ بارش کا فطری تقاضا تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی (اگاؤ) ہو اور کھیتی نشو و نما پائے لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین محض برائے نام اوپر ہی اوپر ہو، اور اس اوپر والی تہہ کے نیچے محض پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہو گی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشو و نما دینے کی قوت رکھتی ہے، مگر اس کے فائدہ مند ہونے کے لئے حقیقی نیک نیتی شرط ہے نیک نیت نہ ہو تو ابرِ کرم کا فیضان بجز اس کے کہ ضیاعِ مال ہے اور کچھ نہیں،

آیت کے آخر میں کافر کا لفظ ناشکرے اور منکرِ نعمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی راہ میں اس کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی بجائے مخلوق کی خوشنودی کے لئے صرف کرتا ہے، یا اگر خدا کی راہ میں کچھ مال دیتا بھی ہے تو اس کے ساتھ اذیت بھی دیتا ہے وہ دراصل ناشکرا اور اپنے خدا کا احسان فراموش ہے اور جب کہ وہ خود ہی خدا کی رضا کا طالب نہیں ہے تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ اسے خواہ مخواہ اپنی رضا کا راستہ دکھائے۔

Marfat.com

مزید برآں ایسے صدقے سے جس کے بعد احسان جتایا جاتے، ایک بھلی بات کہہ دینے کو بہتر فرمایا گیا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔ (البقرہ - ۲۶۳)

"ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذراسی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔"

اس ایک فقرے میں دو باتیں ارشاد ہوئیں ایک یہ کہ اللہ تمہاری خیرات کا حاجت مند نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ چونکہ خود بردبار ہے اس لئے اسے پسند بھی وہی لوگ ہیں جو چھچھورے اور کم ظرف نہ ہوں بلکہ فراخ حوصلہ اور بردبار ہوں جو خدا تم پر زندگی کے اسباب و وسائل کا بے حساب فیضان کر رہا ہے اور تمہارے قصوروں کے باوجود تمہیں بار بار بخشتا ہے وہ ایسے لوگوں کو کیونکر پسند کر سکتا ہے جو کسی غریب کو ایک روٹی کھلا دیں تو احسان جتا جتا کر اس کی عزتِ نفس کو خاک میں ملا دیں۔

اسی بنا پر حدیث میں آتا ہے کہ:۔

"اللہ تعالےٰ ہر اس شخص کو قیامت کے روز شرفِ ہمکلامی اور نظرِ عنایت سے محروم رکھے گا جو اپنے عطیے پر احسان جتاتا ہو۔"

**اللہ تعالےٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے**:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔ (البقرہ - ۲۷۶)

"اللہ تعالےٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے

Marfat.com

بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا"

اس آیت میں ایک ایسی صداقت بیان کی گئی ہے جو اخلاقی و روحانی حیثیت سے بھی سراسر حق ہے اور معاشی و تمدنی حیثیت سے بھی۔ اگرچہ بظاہر سود سے دولت بڑھتی نظر آتی ہے اور صدقات سے گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خدا کا قانونِ فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی و روحانی اور معاشی و تمدنی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتا ہے بلکہ تنزل کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے برعکس صدقات سے (جن میں قرضِ حسنہ بھی شامل ہے) اخلاق و روحانیت اور تمدن و معیشت ہر چیز کو نشو و نما نصیب ہوتی ہے۔

اب ایک نظر صدقات کے معاشی اثرات و نتائج کو بھی دیکھ لیجئے۔ اگر سوسائٹی کے خوشحال افراد کا طریقِ کار یہ ہو کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق پوری فراخ دلی کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات خریدیں، پھر جو روپیہ ان کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ بچے اسے غریبوں میں بانٹ دیں تاکہ وہ اپنی ضروریات خرید سکیں، پھر اس پر بھی جو روپیہ بچ جائے اسے یا تو کاروباری لوگوں کو بلا سود قرض دیں یا شرکت کے اصول پر ان کے ساتھ نفع و نقصان میں حصہ دار بن جائیں یا حکومت کے پاس جمع کر دیں کہ وہ اجتماعی خدمات کے لئے ان کو استعمال کرے، تو ہر شخص تھوڑے سے غور و فکر ہی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسی سوسائٹی میں تجارت اور صنعت اور زراعت ہر چیز کو بے انتہا فروغ حاصل ہو گا۔ اس کے عام افراد کی خوشحالی کا معیار بلند ہوتا چلا جائے گا اور اس میں بحیثیت مجموعی دولت کی پیداوار اس سوسائٹی کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ ہو گی جس کے اندر سود کا رواج ہو۔

"کفار اثیم" یعنی ناشکرا بد عمل انسان۔ ظاہر ہے کہ سود پر روپیہ وہی شخص چلا سکتا ہے جس کو دولت کی تقسیم میں اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ حصہ ملا ہو۔ یہ

Marfat.com

ضرورت سے زیادہ حصہ، جو ایک شخص کو ملتا ہے، قرآن کے نقطہ نظر سے دراصل اللہ کا فضل ہے اور اللہ کے فضل کا صحیح شکریہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے بندے پر فضل فرمایا ہے اسی طرح بندہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر مہربانی کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس اللہ کے فضل کو اس غرض کے لئے استعمال کرتا ہے کہ جو بندے دولت کی تقسیم میں اپنی ضرورت سے کم حصہ پا رہے ہیں ان کے قلیل حصہ میں سے بھی وہ اپنی دولت کے زور پر ایک ایک جزء اپنی طرف کھینچ لے تو حقیقت میں وہ ناشکرا بھی ہے اور ظالم، جفاکار اور بدعمل بھی۔

Marfat.com

# آیاتِ صوم

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (البقرہ۔ ۱۸۳)

۲۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ۔ ۱۸۴)

۳۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ۭ (البقرہ۔ ۱۸۵)

۴۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔ (النساء۔ ۹۲)

۵۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (المائدہ۔ ۸۹)

Marfat.com

Marfat.com

# الصوم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (البقرہ۔۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ لکھا گیا ہے (فرض کر دیا گیا ہے) جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر لکھا گیا، تاکہ تم تقوٰی حاصل کرو۔"

**روزہ کا مفہوم**:۔ روزہ اسلام کی عبادت کا تیسرا رکن ہے "صوم" کے لفظی معنی "رکنے اور چپ رہنے" کے ہیں۔ بعض مفسرین کی تفسیروں کے مطابق قرآن پاک میں اس کو کہیں کہیں "صبر" بھی کہا گیا ہے۔ جس کے معنی ضبط نفس، ثابت قدمی اور استقلال کے ہیں۔ ان معنوں میں اسلام کی زبان میں روزہ کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ درحقیقت نفسانی ہوس اور خواہشات سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقعوں پر ثابت قدم رکھنے کا نام ہے۔ روزانہ استعمال میں عام طور سے نفسانی خواہشوں اور انسانی حرص و ہوا کا مظہر تین چیزیں ہیں کھانا، پینا اور عورت اور مرد کے جنسی تعلقات انھیں سے ایک مدت معینہ تک رکے رہنے کا نام شرعاً روزہ ہے لیکن دراصل ظاہری خواہشوں کے ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کا محفوظ رکھنا بھی خواص کے نزدیک روزہ کی حقیقت میں داخل ہے۔

**روزہ کی ابتدا**:۔ اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے پھر ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں تو وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا، اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی

Marfat.com

گئی۔ لیکن مریض اور مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بوڑھے لوگوں کے لئے جن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔ اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا۔ اور انھیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب عذر باقی نہ رہے، تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے رمضان میں ان سے چھوٹ گئے ہیں یا پھر ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلاتے جو کہ فدیہ کہلاتا ہے۔ فدیہ میں اگر ایک سے زیادہ مساکین کو کھانا کھلا دے تو وہ زیادہ بھلائی ہے مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ-۱۸۴)

"لیکن اگر تم سمجھو تمہارے حق میں یہی اچھا ہے کہ روزہ رکھو"

۷۔ اس سے پہلی آیت میں آیا کہ۔

"كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

"یعنی جیسا تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا"

قرآن پاک نے اس آیت میں بتایا کہ روزہ اس امت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی وہ کل مذاہب کے مجموعۂ احکام کا ایک جزو رہا ہے۔ جاہل عرب میں ایک اُمّی پیغمبر جو بقول مخالفین تاریخ عالم سے ناواقف تھا وہ مدعی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں روزہ فرض عبادت رہا ہے۔ اس دعویٰ کی تصدیق میں یورپ کے محقق ترین ماخذ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں روزہ (فاسٹنگ) میں لکھا ہے۔

"روزہ کے اصول اور طریقے گو آب و ہوا، قومیت و تہذیب اور گرد و پیش کے حالات کے اختلاف سے بہت کچھ مختلف ہیں، لیکن بمشکل کسی ایسے مذہب کا نام ہم لے سکتے ہیں جس کے مذہبی نظام میں روزہ مطلقاً تسلیم نہ کیا گیا ہو"

آگے چل کر لکھتا ہے۔

Marfat.com

"گو کہ روزہ ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے ہر جگہ موجود ہے"

ہندو مت جس کو سب سے زیادہ قدامت کا دعویٰ ہے میں "برت" یعنی روزہ ہر ہندی مہینے کی گیارہ بارہ کو برہمنوں پر فرض ہے جو "اکادشی برت" کہلاتا ہے اس طرح ان کے ہاں سال میں ۲۴ روزے ہوتے۔

قدیم مصریوں کے ہاں بھی روزہ دیگر مذہبی تہواروں میں شامل نظر آتا ہے یونان کی صرف عورتیں روزہ رکھا کرتی تھیں۔ پارسی مذہب میں گو عام پیروؤں پر روزہ فرض نہیں، لیکن ان کی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ کا حکم ان کے ہاں موجود تھا۔

یہودیوں میں بھی روزہ فریضۂ الٰہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے گزارے (خروج ۳۴، ۲۸)

عیسائیت میں چالیس روزے فرض ہیں چونکہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس دن تک جنگل میں روزہ رکھا۔

اہلِ عرب بھی اسلام سے پہلے روزہ سے کچھ نہ کچھ مانوس تھے، مکہ کے قریش جاہلیت کے دنوں میں عاشورہ (یعنی دسویں محرم) کو اس لئے روزہ رکھتے تھے کہ اس دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا، مدینہ میں یہود اپنا عاشورہ الگ مناتے تھے یعنی اپنے ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے، اس روز حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر چالیسواں دن تھا، اور اس دن آپ کو تورات کے دس احکامات عنایت ہوتے تھے۔

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ قرآن کی یہ آیت۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

کس قدر تاریخی صداقت پر مبنی ہے اور ساتھ ہی بتلا دیا کہ روزہ کی غرض وغایت "تقویٰ"

ہے. یعنی اپنی خواہشوں کو قابو میں رکھنا اور جذبات کے تلاطم سے اپنے آپ کو بچالینا، اس سے ظاہر ہُوا کہ روزہ ہمارے لئے ایک قسم کے روحانی علاج کے طور پر فرض ہُوا.

**ماہ رمضان میں روزہ کی فرضیت** . فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائصِ نبوّت کا اصول قانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہے.

پیغمبرانہ تاریخ کے انھیں اصول و قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ نبی جب اپنے کمالِ انسانیت کو پہنچ کر فیضانِ نبوت کے قبول اور استعداد کا انتظار کرتا ہے تو وہ ایک مدت تک کے لئے عالم انسانی سے الگ ہو کر ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے. اسی وقت سے اس کے دل و دماغ میں وحی الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے، کوہ سینا کا پُرجلال پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے جاتا ہے تو چالیس روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے. کوہ سعیر کا مقدس آنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے انجیل کی زبان گویا ہو، وہ چالیس روز و شب بھوکا اور پیاسا رہا.

اسی طرح فاران کا آتشین شریعت والا پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے چالیس دن تک حراء نام کی مکہ کی ایک غار میں ہر قسم کی عبادتوں میں مصروف رہتا ہے اور بالآخر ناموس اکبر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کا مژدہ جانفزا لے کر نمودار ہوتا ہے، یہ واقعہ جس ماہ مبارک کا تھا وہ تھا ماہ رمضان.[1]

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ۔۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اترا"

اور بتایا گیا کہ یہ ایک مبارک رات میں نازل ہوا.

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان۔۳)

---

[1] برکات رمضان: ۱۔ تراویح کے ذریعے قیام اور سماعت تلاوت کی جاتی ہے۔
۲۔ اعتکاف: ۲۱ رمضان سے یکم شوال کے چاند تک مسجد میں قیام

Marfat.com

"اور وہ مبارک رات کون سی ہے اور اسے کس نام سے یاد کیا جاتا ہے"

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر) [1]

"ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا"

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن سب سے پہلی بار دنیا میں نازل ہوا اور پیغمبر اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالمی رہنمائی اور انسانوں کی دستگیری کے لئے دستور نامۂ الٰہی کا سب سے پہلا صحیفہ عنایت کیا گیا۔ قرآن کا حامل اور اس وحیِ الٰہی کا محور ان دنوں غار کے ایک کونے میں تنہا بھوکا اور پیاسا سر بزانو تھا۔ اس لئے اس ماہ مقدس میں بھوکا اور پیاسا رہنا (روزہ) کسی عبادت گاہ میں اکیلا تنہا رہنا (اعتکاف) نزول وحی کی رات میں (لیلۃ القدر) بیدار و سر بسجود رہنا تمام پیروانِ محمدیؐ کے لئے ضروری تھا کہ:-

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران)

"اگر تم خدا کو پیار کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو خدا تمہیں پیار کرے گا"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت اسلام میں کیا ہے اور رمضان مبارک میں روزوں کی تخصیص اسلام میں کس بنا پر ہے۔ اس لئے اس ماہِ اقدس میں بقدرِ امکان انہیں حالات و جذبات سے پُر کیف ہونا چاہیئے جس میں حامل قرآن متکیف تھا تاکہ وہ دنیا کی ہدایت یابی اور راہنمائی کی یادگار تاریخ ہو۔ یہ جذبات و حالات جن کو قرآن کے مبلغ کی پیروی میں ہم اپنے اوپر طاری کرتے ہیں، یہی اس ہدایت کے ملنے پر ہماری شکر گزاری اور خدا کی بڑائی ہے۔ رمضان کو ماہ صیام قرار دینے سے پہلے اس مہینے کی عظمت اور اہمیت بتائی گئی۔ فرمایا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ - ۱۸۰)

---

[1] لیلۃ القدر: رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں سے ایک ہے۔ (یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) ان راتوں میں نوافل کی کثرت سے اللہ کی برکات سمیٹی جاتی ہیں۔

Marfat.com

"وہ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی دلیلیں ہیں۔"

اس ماہ کی عظمت اور اہمیت بتانے کے بعد فرمایا کہ۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ۔ ۱۸۰)

"تو جو اس مہینہ کو پاوے تو اس مہینہ بھر روزے رکھے۔"

لفظ "شَہِدَ" کے لغوی معنی کسی مقام یا زمانہ میں موجود اور حاضر رہنے کے ہیں۔ اسی سے شہادت اور شاہد کے الفاظ نکلے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روزے اسی پر واجب ہیں جو اس ماہِ صیام میں موجود اور حاضر ہو۔ غیر موجود اور غیر حاضر ہونے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ شخص زندہ نہ ہو یعنی ہر زندہ شخص پر روزہ واجب ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ علاقے جہاں روز و شب کا وہ نظام موجود نہیں جو باقی متمدن دنیا میں ہے۔ یعنی ان مقامات پر کئی مہینوں کے دن اور کئی مہینوں کی راتیں ہوتی ہیں کہ وہاں رمضان کی آمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اگر وہاں مسلمان چاہیں تو بقیہ متمدن ممالک کے کیلنڈر کو معیار مان کر روزہ رکھیں اور کھولیں۔

یہاں ایک اور چیز سامنے آتی ہے کہ اسلام میں روزہ ہر مرد و زن، اعلیٰ و ادنیٰ سب کے لئے فرض کیا گیا۔ مگر دوسرے مذاہب میں روزہ صرف مخصوص طبقوں پر فرض تھا مثلاً ہندوؤں میں غیر برہمن کے لئے کوئی روزہ فرض نہیں، پارسیوں کے یہاں صرف دستور اور پیشوا کے لئے روزہ ہے۔ یونانیوں میں صرف عورتوں کے لئے روزہ تھا۔ اس کے برعکس اسلام میں بغیر کسی تخصیص کے روزہ ہر ایک پر فرض ہے یعنی جو کوئی اس مہینے کو پائے تو اس کے روزے رکھے۔

**روزہ کے مقاصد**:۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تعلیم ربانی محض حکم کے طور پر نہیں ہے، بلکہ وہ سراپا حکمت و مصلحت ہے۔ اس کے فرائض کی عمارت

Marfat.com

روحانی، اخلاقی اور مادی فوائد اور منفعتوں کے ستونوں پر قائم ہے اور ان مصلحتوں اور منفعتوں کے اصول اور جوہر کو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ الہامی نے ظاہر کر دیا ہے اور بتا دیا ہے، چنانچہ روزہ کے مقاصد اور اس کے اغراض بھی اس نے تین مختصر فقروں میں بیان کر دیئے ہیں،

ا۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (البقرہ - ۱۸۵)

"تاکہ (خدا نے) جو تم کو ہدایت کی ہے اس پر اس کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرو"

ب۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۸۵)

"تاکہ (اس ہدایت کے ملنے پر) تم خدا کا شکر کرو"

ج۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ - ۱۸۳)

"تاکہ تم پرہیزگار بنو (تاکہ تم میں تقوٰی پیدا ہو،

**شکر**:۔ درحقیقت اللہ تعالےٰ کا عظیم الشان احسان جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کے ذریعے انسانوں پر کیا، روزہ اس احسان کا شکریہ ہے اور اس کی احسان شناسی کا احساس ہے کہ وہ کتاب الٰہی وہ تعلیم ربانی، وہ ہدایتِ روحانی جو اس مبارک مہینے میں انسانوں کو عنایت ہوئی، جس نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلماتی سے نورانی بنایا پستی و ذلت کے عمیق غار سے نکال کر ان کو اوج کمال تک پہنچایا، ان کی وحشت کی تہذیب و اخلاق سے، ان کی جہالت کو علم و معرفت سے، ان کی نادانی کو حکمت و دانائی سے اور ان کی تاریکی کو بصیرت اور روشنی سے بدل دیا جس نے ان کی قسمتوں کے پانسے الٹ دیئے اور فضل و دولت اور خیر و برکت کے خزانوں سے ان کے کاشانوں کو معمور کر دیا جس نے ذرۂ بے مقدار کو آفتاب بنا دیا۔ اس ہدایتِ ربانی اور قرآن حکیم کے عطیہ پر شکر گزاری یوں بھی ہے کہ اس مہینہ کی راتوں میں مسلمان اس پوری کتاب کو نمازوں (تراویح) میں پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس مہینہ کے خاتمہ پر اللہ اکبر کا ورد

Marfat.com

کرتے ہوئے عیدگاہوں میں جاتے اور خوشی و مسرت کے ولولوں کے ساتھ عیدگاہ میں دوگانہ شکر ادا کرتے ہیں۔

**تقویٰ** :۔ روزہ کا سب سے بڑا معنوی مقصد تقویٰ اور دل کی پرہیزگاری اور صفائی ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے اور نیک باتوں کی طرف اس میں بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے اور روزہ کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے اکثر جذبات بہیمی (حیوانی) قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ انسان کے ان جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کا علاج جو اپنی مالی مجبوریوں کے سبب نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتے روزہ بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ۔

"شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لئے بہترین چیز ہے۔ اسی طرح روزہ کو ڈھال بھی قرار دیا گیا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الصوم)

**گناہوں کا کفارہ** :۔ جیسے روزہ بہت سے گناہوں سے انسانوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ تورات میں تو اس کو خاص کفارہ کہا گیا ہے۔ اور اسلام میں بھی بہت سے موقعوں میں یہ کفارہ بہت سے گناہوں اور خطاؤں پر ادا کیا جاتا ہے۔ جس میں کسی ذمی کا قتل جو کہ غلطی سے ہو گیا ہو یا اگر کوئی قسم کھا کر اسے توڑ دے تو اس کے لئے کفارہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کفارہ کے لئے مکمل رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء-۹۲)

Marfat.com

"اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جاتے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ پھر جو (غلام) نہ پاتے وہ پے در پے یعنی لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علم رکھنے والا اور دانا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں توبہ کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ جرمانہ نہیں ہے بلکہ توبہ ہے اور کفارہ ہے۔ جرمانہ میں ندامت و شرمساری اور اصلاح نفس کی کوئی روح نہیں ہوتی بلکہ عموماً وہ سخت ناگواری کے ساتھ دیا جاتا ہے اور بیزاری و تلخی اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ برعکس اس کے اللہ تعالے چاہتا ہے کہ جس بندے سے خطا ہوتی ہے وہ عبادت اور کار خیر اور ادائے حقوق کے ذریعے سے دھودے اور شرمساری و ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تاکہ نہ صرف یہ گناہ معاف ہو بلکہ آئندہ کے لئے اس کا نفس ایسی غلطیوں کے اعادہ سے بھی محفوظ رہے۔

اسی طرح اگر قسم کھا کر کوئی اس کو توڑنے کا گناہ کرے گا تو اس گناہ کی معافی کی یہ صورت ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاتے اگر سکت نہ ہو تو تین دن لگاتار روزہ رکھے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (المائدہ - ۸۹)

"تم لوگ جو مہمل قسمیں کھا لیتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو، ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا (ایسی قسم توڑنے کا، کفارہ یہ ہے

Marfat.com

کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو، اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے واضح کرتا ہے شاید کہ تم شکر ادا کرو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے صرف تین دن کے روزے رکھنا کفارہ بتایا ہے قسم کے توڑنے کے گناہ کا مگر اس سے پہلے جو کفارہ بتایا گیا ہے ایک یہ کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انھیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا تو غور کرنے پر معلوم ہوا کہ تین دن کا روزہ کتنی بڑی فضیلت رکھتا ہے کہ ایک غلام کو آزاد کرنے کے برابر اجر ملتا ہے۔

**صبر و استقامت** :- انسان کو کتنا ہی ناز و نعم سے پلا ہو زمانے کے اونچ نیچ اور زندگی کی کش مکش اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بنائے۔ جہاد کے ہر متوقع میدان کے لئے بھوک اور پیاس کے تحمل اور صبر و ضبط سے اپنے آپ کو آشنا رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان مجاہد اور سپاہی میدانِ جنگ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جس طرح ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے دوسرا نہیں کرتا۔ یہ گویا ایک قسم کی جبری فوجی ورزش ہے جو ہر مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ کرائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر قسم کے جسمانی مشکلات کے اٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہے اور دنیا کی کشمکش، جدوجہد، سختی و محنت کا پوری طرح مقابلہ کر سکے۔

**جسمانی علاج** :- جس طرح حد سے زیادہ فاقہ اور بھوک انسان کے جسم کو کمزور کر دیتی ہے اس سے کہیں زیادہ حد سے زیادہ کھانا انسان کے جسم کو مختلف امراض اور بیماریوں کا نشانہ بنا دیتا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اتنے لوگ تلوار (ہتھیار) سے نہیں مرتے جتنے بسیار خوری سے مرتے ہیں، طب کے تجربے اور مشاہدے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں انسان کا بھوکا رہنا اس کی صحت کے لئے ضروری ہے، مختلف بیماریوں کا یہ قطعی علاج ہے طبی ہدایت

Marfat.com

ہے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک وقت کھانے کا ناغہ کیا جائے۔ اسلام میں ہفتہ وار مسنون و مستحب روزے[۱] بھی ہیں، جو مسلمان رمضان میں روزے رکھتے ہیں ان کو ذاتی تجربہ ہوگا کہ ایک مہینہ کا روزہ کتنی بیماریوں کو دور کر دیتا ہے، اس لئے یہ ایک قسم کا سالانہ جبری جسمانی علاج بھی ہے اور اس کے بعد ڈائٹنگ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

**اجر اور جزاء**:۔ تمام عبادات میں روزہ کو تقویٰ کی اصل اور بنیاد اس لئے بھی قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک مخفی عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے بری ہے جب تک خود انسان اس کا اظہار نہ کرے، دوسروں پر اس کا راز افشاء نہیں ہو سکتا، اور یہی چیز تمام عبادات کی جڑ اور اخلاق کی بنیاد ہے، اسی اخلاص اور بے ریائی کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا کہ روزہ دار میرے لئے اپنا کھانا پینا اور دنیاوی لذتوں کو چھوڑتا ہے اس لئے اس کا اجر بھی میں ہی دوں گا،

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔

"روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا"

جزا تو ہر کام کی وہی دیتا ہے لیکن صرف اس کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کیلئے اس کی جزاء کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا اور بعض علماء کے نزدیک اسی کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے،

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

"صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب پورا کیا جائے گا"

**خلاصہ**:۔ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے جو کہ ہر مسلمان مرد، عورت پر بغیر تخصیص کے فرض کیا گیا ہے اس کا تعلق روح کے ساتھ ساتھ انسانی جسم کے ساتھ بھی ہے جہاں اس کے روحانی فوائد ہیں وہاں پر جسمانی اور اخلاقی فوائد بھی ہیں روزہ دار چونکہ محض اللہ کی رضا کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھتا ہے، لہذا اس کا اجر بھی اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو خود دے گا، اور بے حساب دے گا،

---

[۱] ہفتے میں دو دن پیر اور جمعرات کا روزہ مسنون ہے اور ہر قمری مہینہ میں چاند کی ۱۳، ۱۴ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھنا بھی سنت نبوی ہے ان کو ایام بیض کے روزے کہتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

# آیاتِ ذکر

۱۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝
(البقرة۔ ۱۵۲)

۲۔ وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي (طٰه۔ ۴۲)

۳۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
(طٰه۔ ۱۲۴)

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ
بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (الاحزاب۔ ۴۱، ۴۲)

۵۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ
اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (الرعد ۲۸)

۶۔ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝
(الزخرف: ۳۶)

Marfat.com

Marfat.com

# ذکرِ الٰہی

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکرِ حق کر لے
بدن میں جان، دہن میں زبان، رہے نہ رہے

روح بھی اپنا ایک وجود رکھتی ہے جس کی بقاء اور ارتقاء کے لئے ذکرِ الٰہی غذا کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ ذکرِ الٰہی تمام عبادات کا لُبِّ لباب ہے، اور خداوند کی یاد اور اس کی معرفت کا ذریعہ ہے، نماز جیسی مہتم بالشّان عبادت میں بھی یہی مقصد کار فرما ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

"اور نماز میری یاد کے واسطے قائم کیجئے"۔

مومن کا دل معرفت الٰہی کا ایک گنج گرانمایہ ہے جس کے حصُول کی کنجی ذکرِ الٰہی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا!
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانہ دل کا

جب شیشۂ دل ذکرِ الٰہی سے چمک اٹھے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور معرفتِ الٰہی کے انوار پھوٹنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا۔ (سورہ انفال: ۲)

اور مومن تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس

Marfat.com

کی بڑائی کے تصوّر سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر آیاتِ قرآنی تلاوت کی جاتیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے"۔

اس سے آگے آنے والی آیات میں فرمایا کہ یہی سچے ایمان والے ہیں اور ان کے لئے اپنے رب کے پاس بڑے بڑے درجے اور مغفرت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب یادِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ ارشاد ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (سورۃ تغابن - ۱)

"اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بھی کوئی چیز آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اپنی ذہنی برتری اور جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے کائنات کی تمام دیگر مخلوقات سے ممتاز اور نادر خوبیوں کا مرقع ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ انسان زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے نیز پوری کائنات اس کی خدمت میں لگی ہوتی ہے، سو ان تمام نعمتوں کے شکریے کے طور پر انسان کی اوّلین اور اہم ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ اپنے خالق و مالک اور کارساز کی حمد و تعریف کرکے مہد سے لحد تک ذکرِ الٰہی میں رطب اللّسان رہے اور اس کا دل ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ ہو کر جلوت میں بھی خلوت کا مظہر ہو۔ خود اللہ کی نظر میں بھی وہی لوگ قابلِ تعریف ہیں جن کی ہر گھڑی یادِ الٰہی کی نذر ہو جاتی ہے۔ فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورہ ال عمران - ۱۹۱)

"وہ لوگ جو کھڑے ہو کر اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹ کر خدا کو یاد کرتے ہیں نیز آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب

Marfat.com

تم نے یہ سب کچھ ناحق پیدا نہیں کیا، تمام تعریف آپ کے لئے ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

دوسری جگہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (سورہ الجمعہ-۱۰)

"اور خدا کی یاد کثرت سے کیا کرو تاکہ فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو سکو۔"

اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو بہت سراہا ہے جو ذکر الٰہی کو دل و جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں۔ فرمایا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ (النور-۳۷)

"ایسے آدمی ہیں جن کو نہ تو تجارت اور نہ خرید و فروخت ذکر الٰہی سے روک سکتی ہے۔"

انسان کے اپنے نفس اور شیطان کے علاوہ بھی خارجی عوامل ایسے ہیں جو اس اہم مقصد میں رکاوٹ بنتے ہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان سے خبردار کیا ہے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (منافقون-۹)

"اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تمہیں ذکر الٰہی سے غافل نہ کرے ورنہ جو یاد الٰہی سے غافل رہے گا سو وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ انسان بسا اوقات فانی لذائذ میں ایسا کھو جاتا ہے کہ یاد الٰہی جیسے اہم مقصد سے بھی روگردانی کرنے لگتا ہے جو کہ یقینی طور پر خسران اور نقصان کا سبب ہے۔

آج انسان جہاں مادی ساز و سامان کو ہی جنگ میں فتح و کامرانی کا ذریعہ سمجھتا ہے وہاں وہ یہ حقیقت بھول گیا ہے کہ ذکر الٰہی میدان جنگ فتح کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

Marfat.com

اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (سورہ انفال ۔ ۴۵)

" جب تمہارا آمنا سامنا کسی گروہ سے ہو جاتے تو جم کر رہو اور خدا کو کثرت سے یاد کرو تاکہ کامیاب ہو سکو۔"

اس سے ذکر کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ذکر کا دور دورہ جہاں بھی ہو گا جنگ ہو خواہ امن خدا کی رحمت ادھر ہی متوجہ ہو گی۔

**ذکر کے فوائد** :۔ ا۔ ذکر الٰہی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقصدِ زندگی کو فراموش نہیں کرپاتا اور منعم حقیقی کے احسانات کا شکریہ ادا کر کے عبدیت اور وفاداری کا نمونہ بن جاتا ہے نیز ابدی اور غیر فانی نعمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے یہ ایک ایسی دولت ہے جو خدا کے ذکر کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اطمینان قلب نہ دولت سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ مادی سازو سامان اور دنیوی آسائشوں سے وگرنہ دنیا کے ترقی یافتہ اور دولت مند ممالک بڑھتی ہوئی خودکشی کے مسئلے سے دوچار نہ ہوتے امیر لوگوں میں خودکشی کا تیزی سے بڑھتا ہوا رجحان اس امر کا ثبوت ہے کہ مادی آسائشوں میں انھیں سکون نہیں ملتا تو وہ مایوس ہو کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکون کا ذریعہ یاد الٰہی بنایا۔

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد ۔ ۲۸)

" وہ لوگ جو ایمان لاتے اور چین پاتے ہیں اللہ کی یاد سے۔ خبردار خدا کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو یقین اور اطمینان کی دولت نصیب

Marfat.com

ہوتی ہے۔ ایک طرف خدا کی عظمت اور ہیبت دلوں میں خوف پیدا کرتی ہے
تو دوسری طرف ذکرِ الٰہی سے اللہ کی رحمت و مغفرت اور قربت کے احساس سے قلبی
سکون و اطمینان کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ انسان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا
کی طرف جم جاتا ہے۔ اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کے دنیوی خوف
اور وحشت اور گھبراہٹ دور کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دولت، حکومت منصب جاگیر
وغیرہ کوئی بھی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی، صرف یادِ
الٰہی سے جو تعلق باللہ حاصل ہوتا ہے، وہی سکون قلب کا واحد ذریعہ ہے اور ایسے
لوگوں کے بارے میں وعدہ فرمایا کہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس-۶۲)

"یعنی اللہ کے دوستوں کو غم لاحق ہوگا اور نہ کوئی پریشانی"

اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اہل ذکر آخرت میں بڑے بڑے
درجات کے مستحق قرار پائیں گے۔ فرمایا

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب-۳۵)

"اور ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے
بڑے بڑے اجروں اور مغفرت کا انتظام کیا ہے"

ڈاکٹر الیگزنڈر کانن اپنی کتاب                                        میں لکھتا ہے۔

Invisible Helpers Anyone Who meditates upon the master makes a definite connection with him which shows itself to a clairvoyant a line of light. The lord feels the impact of such a

Marfat.com

line and sends out in response a story stream of magnetism which is converted in to happiness"

ترجمہ:۔"جو شخص اللہ کی ذات میں محو ہو جاتا ہے وہ اس سے ایک ایسا ربط قائم کر لیتا ہے جو ایک غیب بین کو نوری خط کی صورت میں نظر آتا ہے۔ خدا اس نوری تعلق کو محسوس کرتا ہے اور جواباً ایسی کھربائی لہریں بھیجتا ہے جو بندے تک پہنچ کر مسرت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔"

ٹرائن اپنی کتاب In Tune with the Nature میں کہتا ہے۔

"We can bring our minds into such harmony with the divine power that it directs illumines and energises us to act under the Guidance of this higher wisdom We become the channels through which the infinite manifests Himself"

ترجمہ:۔"ہم خدائی طاقت کے ساتھ وہ تعلق اور ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے ہدایت، نور اور قوت کا چشمہ بن جاتے۔ اس دانش اعلیٰ سے متاثر ہونے کے بعد ہم خدائے حیّ و قیوم کی صفات کا مرکز بن جاتے ہیں۔"

ار ڈبلیو ٹرائن کیا مزے کی بات کہتا ہے۔

"God is the source of infinite peace, and the moment we come in to harmony with him there comes to us an inflow tide of peace, for peace is harmony. millions of people are weary with cares,
troubled in soul, body and mind travelling the world over, buying cars, building, mansions and amassing wealth but peace is beyond their reach. peace does not come from

Marfat.com

outside it springs from within. If we regulate ourselves in accordance with the promptings of the soul, the higher forms of happiness will enter our life"

ترجمہ:۔"اللہ بے کراں سکون کا منبع ہے۔ جب ہم اس سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو ہم پر سکون برسنے لگتا ہے کیونکہ سکون اور ہم آہنگی ایک ہی چیز ہے۔ کروڑوں انسان گرفتار مصائب ہیں ان کے دل و دماغ اور جسم بے چین ہیں وہ لمبے لمبے سفر کرتے، کاریں خریدتے، محل بناتے اور دولت کے انبار لگاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بے چین رہتے ہیں۔ کاش انہیں معلوم ہو تا کہ سکون باہر سے نہیں بلکہ دل سے جنم لیتا ہے اگر ہم روح کی پکار کو سُن کر اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالیں تو ہمارا دل فردوسِ مسرّت سے معمور ہو جائے گا۔"

ذکرِ الٰہی سے خدا کی رحمتیں تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ ارشاد ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ (البقرۃ: ۱۵۲)

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری سے بچو۔"

انسان کے لئے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود مالک کائنات اسے یاد کرے یعنی ہر مصیبت اور تکلیف میں اس کی مدد کرے، گھبراہٹ اور خوف میں اس کے دل کو تسلی دے۔ دین اور دنیا کی کٹھن منازل میں اس کے ساتھ رہے اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ملتی ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا

Marfat.com

ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اس محفل سے بہتر یعنی فرشتوں کی محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں" (ابن ماجہ والبیھقی)

اور روایت ہے کہ:۔

عن عبد اللہ بن بشیر ان رجلاً قال یا رسول اللہ قد کثرت علی فاخبرنی بشیٔ اتثبت به قال لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللہ عز وجل (رواہ ابن ماجہ)

"عبد اللہ بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ شریعت کے احکام تو بہت سے ہیں لیکن مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس کو میں اپنا مشغلہ بنا لوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تیری زبان ہر وقت ذکر اللہ سے تر و تازہ رہے۔"

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ویسے تو تمام احکام کی بجاآوری ضروری ہے۔ لیکن ہر عمل میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مشغلہ بنانا دشوار ہے لیکن ذکر ہر جگہ اور ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جا سکتا ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ والورق وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر اللہ (ترمذی، ابن ماجہ)

"ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے تمہارے مالک کے

Marfat.com

نزدیک سب سے پسندیدہ، پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر (یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنا)، اور جہاد میں کہ تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔

صحابہؓ نے عرض کیا، ضرور بتا دیجئے۔

فرمایا: ذکر اللہ ہے۔"

یہ عام حالات میں ہر وقت کے اعتبار سے فرمایا ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے جہاد اور صدقہ کی افضلیت مقدم ہے۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے۔

عن معاذ ابن جبل قال قال رسول اللہؐ ما عمل ادمی عملہ انجی له من عذاب القبر من ذکر اللہ (احمد، جامع الصغیر)

معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی عمل انسان کو عذاب قبر سے نجات دینے والی نہیں۔" (احمد، جامع الصغیر)

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ من عجز منکم عن اللیل ان یکابدہ و بخل بالمال ان ینفقه عن العدو ان یجاھدہ فلیکثر ذکر اللہ (طبرانی والبیہقی)

"ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو آدمی راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنے سے عاجز ہو اور خدا کی راہ میں بخل کی وجہ سے خرچ نہ کر سکتا ہو اور دشمن سے بزدلی کی وجہ سے جہاد نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرے (یعنی) کہ یہی مقام عمل سب کا قائم مقام ٹھہرے گا۔" (طبرانی)

**یاد الٰہی سے غافل رہنے کے نقصانات**:- یاد الٰہی سے غفلت اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا کفران، اپنے محسن کی احسان فراموشی اور انتہائی منافقانہ روش ہے اس لئے اللہ نے فرمایا۔

وَاِذَا قَامُوْآ اِلَى الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا (سورۃ النساء ۱۴۲)

"منافقوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور خدا کو بہت ہی تھوڑا یاد کرتے ہیں"

اب فکر کرنے کا مقام ہے کہ جو لوگ خدا کو سرے سے یاد ہی نہیں کرتے وہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے غافلوں کو یادِ الٰہی سے اعراض کرنے اور غفلت برتنے کے انجامِ بد سے خبردار کیا ہے، فرمایا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (سورہ طٰہٰ ۱۲۴)

"اور جو لوگ میرے ذکر سے غافل ہو کر منہ پھیر لیتے ہیں ان کے لئے سخت زندگی ہے (یعنی ان کی گزران تنگ ہو گی)"

یعنی جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیوی زندگی اور اس کے خالی لوازم کو ہی قبلہ مقصود سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس کی گزران مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ دولت اور سامان عیش نظر آئیں گے مگر اس کا دل قناعت و توکل سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے، موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں، یورپ کے اکثر امراء کو دیکھ لیجئے، نیند کی لذت سے محروم ہیں، ساری ساری رات ایڑیاں رگڑ رگڑ کر گزارتے ہیں۔ بڑے بڑے کروڑپتی دنیا کے مخمصوں سے تنگ آ کر موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں، ان کی زندگی اپنے لئے باعث خیر ہوتی ہے اور نہ دوسروں کے لئے، بعض مفسرین نے اس سے مراد عالم برزخ لیا ہے یعنی کہ قبر اس پر تنگ کی جائے گی اور آخرت میں ذلت و رسوائی کا شکار ہوگا۔ اس لئے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی فرمایا۔

Marfat.com

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي (سورہ طٰہٰ - ۴۲)

"یعنی میرے ذکر میں سستی نہ کیجئے"

اس لئے کہ بدون ذکر الٰہی کے رحمت الٰہی شامل حال نہیں رہتی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب بندے اس کے محبوب عمل میں کوئی کوتاہی کریں بلکہ اپنے منصب کی عظمت کے پیش نظر تو وہ اس بات کے زیادہ ذمہ دار ٹھہرتے ہیں کہ وہ اللہ کی یاد کثرت سے کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں آگے فرمایا۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ (الزخرف - ۳۶)

"اور جو آدمی جان بوجھ کر خدا کی یاد سے اندھا ہو جاتے تو ہم اس پر شیطان مسلّط کرتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے"

اور فرمایا۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (الجن - ۱۷)

"اور جو آدمی خدا کے ذکر سے روگردانی کرے گا، خدا اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا"

حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

عن ابی موسٰی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت (بخاری و مسلم)

"حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جو خدا کو یاد کرتا ہے اور وہ آدمی جو یاد الٰہی سے غافل ہے ان کی مثال زندہ اور

Marfat.com

مردہ کی سی ہے (یعنی جو بندہ ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ رہتا ہے اور جو بندہ ذکر نہیں کرتا اس کا دل مر جاتا ہے"۔

پس ثابت ہوا کہ ذکر الٰہی نہ کرنے سے انسان دنیا اور آخرت دونوں کے وبال کا شکار ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی سے اعراض عبدیت کے منافی ہے۔

مومن کی نشانی تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کے ذکر سے ہر وقت رطب اللسان رہے۔ دل خدا کی یاد کی آماجگاہ ہو چہرے سے نور الٰہی ٹپکتا ہو کہ اس کی طرف دیکھنے سے خدا یاد آتے۔

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری

☆

Marfat.com

# مسنون دُعائیں

**دُعا کیا ہے؟** :- حق تعالےٰ جل جلالہٗ کی بارگاہِ اقدس میں سائل بن کر حاضر ہونا ہے۔ دُنیا میں اُمراء، رؤسا اور شاہانِ مملکت کے دربار کی حاضری بہت بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے۔ کیا اس سعادت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک محتاج بے یار ومددگار اور "عبدِ مُطلق" اپنے مالکِ حقیقی، بے حد قوی اور طاقت ور، قادر و مقتدر، شہنشاہِ حقیقی اور انتہائی عزیز ذات کی جنابِ قدس تک رسائی حاصل کرلے۔ یہ باریابی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے حدیث میں دُعا کو عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کے مغز (جوہر) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

کائنات کی ہر شئے "ذاتِ صمد" کی محتاج ہے۔ انسان بھی اسی ذات کا محتاج ہے احتیاج کا صحیح علاج سوائے دُعا کے اور کیا ہے؛ دُعا تمام مصائب (موجودہ ہوں یا آئندہ) میں نفع دیتی ہے۔ اسی لئے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ فَعَلَیْکُمْ عِبَادَ اللّٰہِ بِالدُّعَآءِ "یقیناً دُعا نفع مند ہوتی ہے اُن حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور اُن میں بھی، جو ابھی نازل نہیں ہوتے۔ پس اے خدا کے بندو! دعا کا اہتمام کرو" (ترمذی)

اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ عالی میں محرومی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"وہ کون ہے جس نے اس ذات کی بارگاہ میں درخواست پیش کی ہو اور محروم ہوا ہو، یا اس نے جائے پناہ مانگی ہو اور اسے پناہ نہ ملی ہو یا اس ذات کے قریب

Marfat.com

ہوا ہو، تو دُور کر دیا گیا ہو، یا اس دربار کی طرف دوڑا ہو تو ہٹا دیا گیا ہو۔"[1]

اللہ تعالیٰ انتہائی کریم ہیں اور صفتِ حیا سے بدرجہ غایت مُتّصف ہیں انہیں اپنے بندے کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا۔ "تمہارے پروردگار میں انتہائی درجہ کی حیا اور کرم کی صفت ہے جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (ترمذی)

وہ بندے کی دعاؤں پر مواظبت وہمیشگی کی وجہ سے رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں مصائب سے بچاتے ہیں، الطاف وانعامات بارش کی طرح برساتے ہیں، پس دعا مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے (فَاِنَّ الدُّعَآءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ)

اور اللہ تعالےٰ کو یہ عمل (دعائیں مانگنا)، بے حد عزیز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَآءِ۔ اللہ کے ہاں کوئی عمل دُعا سے زیادہ عزیز نہیں" (ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے اور وہ دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلدُّعَآءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ۔ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

---

[1] سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

Marfat.com

"دعا عین عبادت ہے" اس کے بعد آپؐ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے ان کو ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جانا ہو گا"

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ "اگر حاکم وقت خود ہی درخواست کا مضمون لکھوا دے تو اس کی منظوری میں کسی کو شک نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں حاکم کائنات نہ صرف مضمون بناتے بلکہ درخواست کی منظوری کا زبانی اور تحریری وعدہ بھی کرے۔ وہاں درخواست کے موثر ہونے میں کون شک کر سکتا ہے"

دُعا نہ کرنا اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا باعث ہے (مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ۔ ترمذی)

اللہ تعالےٰ نہایت اعلیٰ اور ارفع ہونے کے باوجود اپنے بندوں سے بہت ہی قریب ہیں۔ دُعا مانگنے والے کی دعا سُنتے اور قبول فرماتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (بقرہ ۱۸۶)

"اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو انھیں (بتا دیجئے) کہ میں ان کے نزدیک ہوں، دعا کرنے والوں کی دُعا قبول کرتا ہوں، لہٰذا انھیں چاہیئے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں شاید کہ وہ راہِ راست پا لیں"

پس بندوں کا کام اس ذات پر ایمان لانا اور دعا کرنا ہے۔

**وہ وقت جن میں دُعائیں قبول ہوتی ہیں**:۔ شبِ قدر۔ یوم عرفہ (حج کے دن)، رمضان شریف میں۔ جمعرات۔ جمعہ۔ تہجد کے وقت، اذان کے وقت، اذان اور اقامت کے دوران میں، جنگ کے وقت۔ فرض نمازوں کے بعد سجدوں

Marfat.com

ہیں۔ تلاوتِ قرآن اور اس کے ختم کے موقع پر۔ زمزم پیتے ہوئے۔ اللہ تعالےٰ کے ذکر کی مجلسوں میں۔ مسلمانوں کے اجتماع (عید، جمعہ، عرفات) میں۔ برستی بارش میں۔ دیدارِ کعبہ کے وقت، افطاری کے وقت۔

**وہ مقام جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں**:۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ۔ مسجد حرام میں طواف کی جگہ۔ مُلتزم۔ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر۔ میزابِ رحمت کے نیچے۔ زمزم کے پاس۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر۔ سعی کی جگہ۔ مقام ابراہیم کے پیچھے۔ میدانِ عرفات۔ مزدلفہ۔ منیٰ۔ تینوں جمرات (جہاں حاجی شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں)، روضۂ اقدس کے پاس۔

**جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں**:۔ بے قرار و پریشان حال، مظلوم۔ والدین کی دعا اولاد کے حق میں۔ منصف حاکم کی دُعا۔ نیک آدمی کی دُعا۔ فرمانبردار اولاد کی دعا والدین کے حق میں۔ روزہ رکھے ہوئے آدمی کی دُعا۔ مسلمان کی دُعا پس پشت۔ مسلمان کی دعا جب کہ وہ ظلم اور قطع رحمی کی دُعا نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرنے والے کی دُعا۔ حاجی کی دُعا گھر پہنچنے سے پہلے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ کے پڑھنے کے بعد۔ تین بار یَآاَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ کہہ کر۔ تین بار جنت طلب کر کے اور دوزخ سے پناہ مانگ کر۔ درود شریف کے بعد۔ اذان کے بعد۔ قرآن و حدیث میں آئی ہوئی دعاؤں کو پڑھنے کے بعد۔ روزانہ ۲۵ یا ۲۷ دفعہ استغفار کرنے والے کی دُعا۔

دُعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمان کا نور ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں دُعا سے پیارا عمل اور کوئی نہیں۔ اس لئے پورے ایمان و یقین اور اعتماد کے ساتھ باُمید قبولیت جہاں اور جس وقت بھی دُعا کرے گا قبول ہوگی۔

**دُعا کے آداب**:۔ وضو کرنا۔ قبلہ رُخ بیٹھنا۔ دُعا کے لئے دونوں ھاتھ

Marfat.com

پھیلانا۔ اخلاص، ادب، تواضع اور عاجزی کے ساتھ دعا کرنا۔ دعا کے اول و آخر حمد و ثنا اور درود شریف پڑھنا۔ حرام مال سے بچنا۔ اپنی محتاجی کا ذکر کرنا۔ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرنا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ پوری رغبت و شوق اور عزم کے ساتھ دعا کرنا۔ قبولِ دعا کی پوری امید رکھنا۔ چھوٹی بڑی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا۔ مخلوق پر بھروسہ نہ کرنا۔ دعا میں تکلف نہ کرنا۔ تین تین بار دعا مانگنا دعا کے آخر میں آمین کہہ کر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرنا۔

آگے حصہ "الف" میں چند قرآنی دعائیں اور حصہ "ب" میں چند مسنون دعائیں منتخب کر کے پیش کی جا رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم انھیں اچھی طرح یاد کر کے انہی مبارک الفاظ میں ساری عمر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۔ **مومن بندوں کی دعائیں**:- (۱) رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ - ۲۰۱)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

(۲) رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (البقرہ - ۲۵۰)

"اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہمیں غالب کیجئے۔"

(۳) رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ

Marfat.com

مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرة - ۲۸۶)

"اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ، اے ہمارے رب! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہیں، اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہمیں، اور رحم کیجئے ہم پر، آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، پس ہمیں کافروں پر غالب فرما دیجئے"

(۴) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (آل عمران - ۸)

"اے ہمارے رب! جب تو ہمیں ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے"

(۵) حضرت آدم و حوا کی دعا:- رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف - ۲۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا"

(۶) حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا:- فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف - ۱۰۱)

"اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ ہی میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھے پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھے خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے"

(۷) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:- رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ

Marfat.com

وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔

(بنی اسرائیل۔۸۰)

"اے میرے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا دے اور خوبی کے ساتھ نکال لے اور مجھے اپنی طرف سے ایسا غلبہ عطا کر جس کے ساتھ نصرت ہو"

(۸) **حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا:۔** رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (طٰہٰ۔۲۵۔۲۸)

"اے میرے رب! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دیجئے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں"

(۹) **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:۔** رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ۔۱۱۴)

"اے میرے پروردگار! مجھے مزید علم عطا کر"

(۱۰) **مومن بندوں کی دعا:۔** رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (الفرقان۔۷۴)

"اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا"

(۱۱) **حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:۔** رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (النمل۔۱۹)

"اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ مجھے نیک کاموں کی توفیق دے جو تجھے پسند ہوں اور مجھے اپنی خاص مہربانی سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) بندوں میں شامل کر لیجئے"

Marfat.com

(ب) سونے وقت کی دعا:۔ ۱۔ اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ۔ (بخاری و مسلم)

"اے اللہ! تیرے ہی نام پر مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پر مجھے جینا ہے۔"

۲۔ بیدار ہونے کے وقت کی دعا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ (بخاری)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں سونے کے بعد از سرِ نو زندگی بخش دی اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے۔"

۳۔ وضو کی دعا:۔ وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا ضروری ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کامل وضو کرے پھر یہ کلمات پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔"

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (ترمذی)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں شامل کر دے اور پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دے۔"

۴۔ مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا: حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم

Marfat.com

میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیئے کہ یوں دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

"اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"

اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں"۔ (صحیح مسلم)

۵۔ **سخت خطرہ کے وقت کی دعا**:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہمارے کلیجے منہ کو آ گئے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (مشکوٰۃ)

"اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور گھبراہٹوں سے امن دے"

۶۔ **ایمان، صحت اور حسن اخلاق کی دعا**:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً فِیْ اِیْمَانٍ وَّاِیْمَانًا فِیْ حُسْنِ خُلُقٍ (مستدرک حاکم عن ابی ہریرۃؓ)

"اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن اخلاق کے ساتھ۔"

۷۔ **استغفار**:۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔ (ترمذی)

"میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی و قیوم ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں"

۸۔ **حفاظت کی دعا**:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر صبح و شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اسے کوئی چیز

Marfat.com

نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (مشکوٰۃ)

"شروع اللہ کے نام سے، نہیں نقصان دے سکتی اس کے نام کی برکت سے کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے"

۹۔ آئینہ دیکھنے کی دعا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (مسند احمد عن ام سلمہ)

"الٰہی! آپ نے جیسے میری صورت اچھی بنائی ہے میری سیرت بھی اچھی بنا دے"

۱۰۔ ادائیگی قرض کی دعا:۔ ایک غلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے دو کلمے سکھا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھاتے تھے اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو گا اللہ تعالیٰ ادا کرا دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ! حرام سے بچا کر حلال رزق کے ذریعے میری کفایت فرما اور اپنے فضل وکرم کے صدقے مجھے غیروں سے بے نیاز کر دے"

۱۱۔ سفر کی دعا:۔ جب سواری پر سوار ہونے لگتے تو بسم اللہ کہتے اور جب بیٹھ جاتے تو الحمد للہ کہے۔ پھر یہ آیت پڑھے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ۔ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۰ (مشکوٰۃ)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا۔ اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے تابع نہیں کر سکتے تھے، یقیناً ہمیں اپنے رب کی طرف جانا ہے"

Marfat.com

میں رونما ہونے والے ہر قسم کے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے۔

۲۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا..... اس مقام پر بعض انسانوں کے چھچھورے پن کی طرف نشان دہی کی جارہی ہے کہ وہ قبولِ اسلام کا احسان ہادیٔ برحق پر رکھتے ہیں، گویا انھوں نے اسلام کو قبول کرکے محسنِ انسانیت کے ذاتی مشن کی تکمیل کی ہے اور ان کی ذات کو نفع پہنچایا ہے ان کا یہ رویہ اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہے کہ وہ ایمان و اسلام کی قدر و قیمت سے آگاہ ہی نہیں ہیں اور ایمان کی حلاوت ان کے حلق سے نیچے اتری ہی نہیں ہے اگر وہ اس سے آشنا ہوتے تو بجائے احسان جتانے کے اللہ اور اس کے رسول کے شکر گزار اور احسان مند ہوتے کہ جو انھیں اندھیرے سے اُجالے، تاریکی سے روشنی میں لاتے، جنھوں نے نفس کی بندگی اور خواہشات و اغراض کی غلامی سے نجات دلائی اور انھیں حق شناس کر دیا۔

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.... اگرچہ اللہ کے علم اور اس کی قوت کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن اس آیت پر سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے اور یہاں اللہ نے اپنے علم کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں اور چھپے ہوتے واقعات پر محیط کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو یا کرو گے، ان سب سے تمہارا پروردگار آگاہ ہے۔ اور اپنی اس آگاہی اور واقفیت کو بڑی لطافت سے ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کچھ اس کی نگاہ میں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے علم اور واقفیت کی بنیاد پر تمہارے کرتوت ہر وقت آشکارا نہیں کرتا اور لوگوں پر عیاں نہیں کرتا، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں ابھرنے والے فکری سانچے اور ان سانچوں میں جذبات و خواہشات سے تشکیل پانے والے خاکوں تک اس کی نگاہ کی رسائی ہے اس لئے۔

# مُطالعہ قرآن

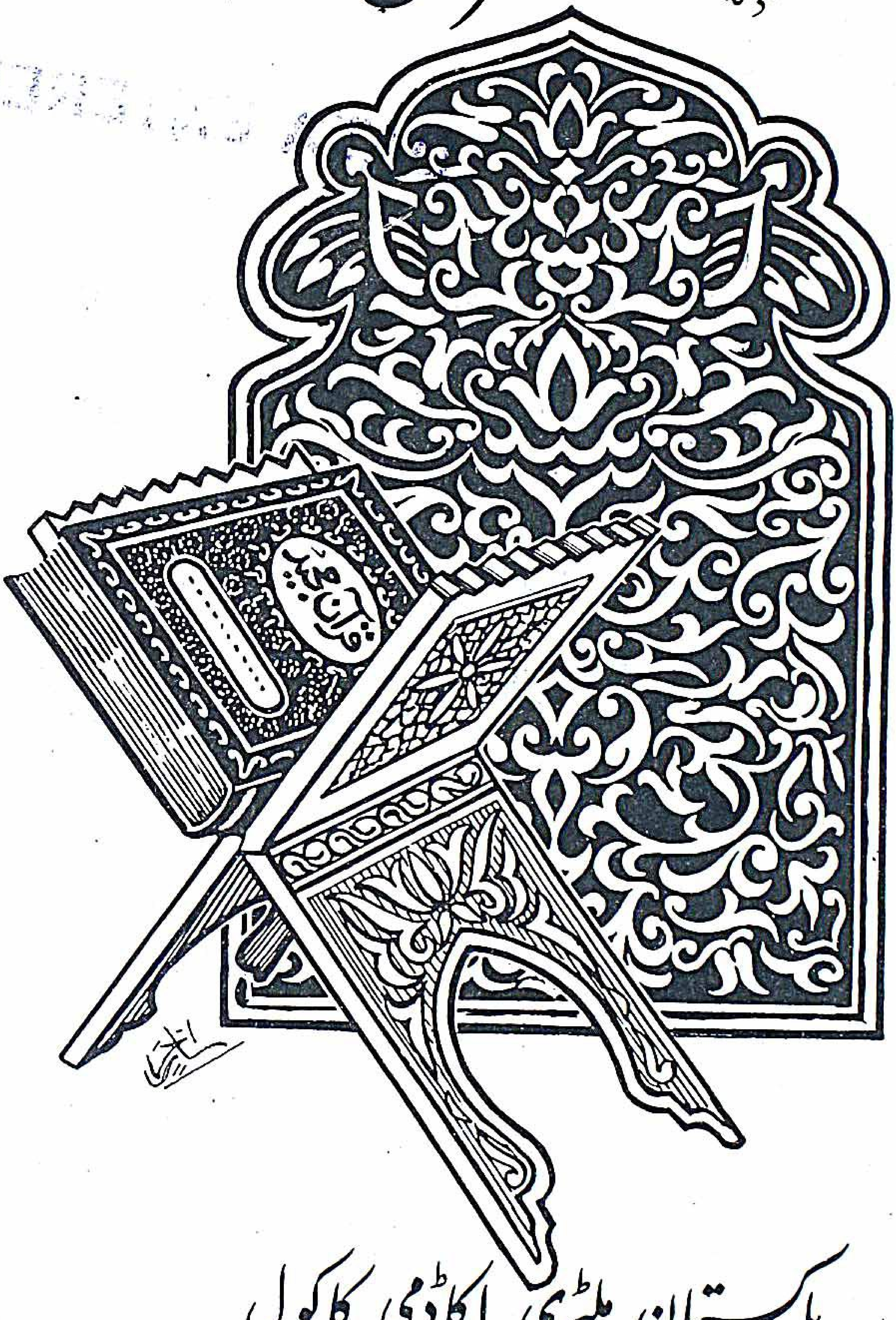

پاکستان ملٹری اکاڈمی کاکول

Marfat.com